"معظمہ نقوی کی کتاب آخری بارش کا فنی و فکری جائزہ"

(تحقیقی مقالہ برائے بی۔ایس اردو)

مقالہ نگار

تہمینہ شاہد

رول نمبر: 2021-GCWF- 063

مقالہ نگران

مسز شہیلا اقبال

لیکچرر شعبہ اردو

گورنمنٹ گریجویٹ کالج (برائے خواتین) فاضل پور

ملحقہ غازی یونیورسٹی ڈیرہ غازی خان

حلف نامہ

میں حلفیہ اقرار کرتی ہوں کہ میرا تحقیقی مقالہ "**معظمہ نقوی کی کتاب آخری بارش کا فنی و فکری جائزہ**" مکمل طور پر میری ذاتی محنت اور تحقیق کا نتیجہ ہے۔ یہ مقالہ کسی بھی یونیورسٹی یا ادارے میں پیشہ ورانہ ڈگری یا سند کے حصول کے لیے پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا۔

تہمینہ شاہد

مقالہ نگار بی ایس اردو

حلف نامہ

میں حلفیہ اقرار کرتی ہوں کہ میرا تحقیقی مقالہ "**معظمہ نقوی کی کتاب آخری بارش کا فنی و فکری جائزہ**" مکمل طور پر میری ذاتی محنت اور تحقیق کا نتیجہ ہے۔ یہ مقالہ کسی بھی یونیورسٹی یا ادارے میں پیشہ ورانہ ڈگری یا سند کے حصول کے لیے پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا۔

تہمینہ شاہد

مقالہ نگار بی ایس اردو

فہرست ابوب

انتساب

یہ تحقیقی مقالہ

میرے والدین کے نام،

جن کی دعائیں میرا حوصلہ بنیں،

اور جن کی محبت، قربانی اور رہنمائی نے

مجھے علم و ادب سے روشناس کرایا،

اور اس سفر میں میرا ہر لمحہ ساتھ دیا۔

پیش لفظ

اردو شاعری میں نسائی آواز ہمیشہ سے ایک اہم اور منفرد حیثیت رکھتی رہی ہے، مگر بیسویں اور اکیسویں صدی میں تانیثیت کے تصور نے اسے ایک نیا رخ دیا۔ معظمہ نقوی کا شمار بھی ان شاعرات میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی شاعری میں عورت کے جذبات، احساسات اور فکری آزادی کو بھرپور انداز میں پیش کیا۔

یہ مقالہ معظمہ نقوی کی زندگی، شخصیت اور فکری و فنی کمالات کا جائزہ لینے کی ایک کوشش ہے۔ **بابِ اول** میں ان کی سوانح حیات اور شخصیت کے نمایاں پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ **بابِ دوم** میں اردو شاعری میں تانیثیت کی روایت کا تجزیہ کیا گیا ہے تاکہ ان کے کلام کو اس تناظر میں سمجھا جا سکے۔ **بابِ سوم** میں ان کے مجموعۂ کلام "**آخری بارش**" کے فکری موضوعات اور نظریات کا جائزہ لیا گیا ہے، جب کہ **بابِ چہارم** میں اس مجموعے کی فنی خصوصیات، اسلوب اور شعری جمالیات پر گفتگو کی گئی ہے۔

میری عاجزانہ کاوش شاید اس محبت، رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا مکمل حق ادا نہ کر سکے جو **محترمہ شازیہ سبین، محترمہ شہیلا اقبال اور محترمہ طلعت نقی** نے مجھ پر نچھاور کی۔ ان کی شفقت بھری دعائیں، بصیرت افروز مشورے اور بے لوث سرپرستی ہر موڑ پر میرے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوئیں۔ ایسی عظیم ہستیوں کا ساتھ کسی کے نصیب میں آئے تو وہ خود کو خوش بختوں میں شمار کرے۔

میں اپنے عظیم والدین کی بھی تہہ دل سے شکر گزار ہوں، جنہوں نے ہر لمحہ میرا حوصلہ بلند رکھا، میرے خوابوں کو اپنی دعاؤں سے سینچا، اور اپنی محبت و قربانیوں سے میری راہ آسان کی۔

مجھے فخر ہے کہ میری عزیز دوستوں اور تمام کلاس فیلوز نے ہر لمحے میرا ساتھ دیا۔ ان کی بے لوث محبت، خلوص اور حوصلہ افزائی میرے لیے قیمتی اثاثہ ہے۔ ان کا ساتھ نہ صرف میری کامیابیوں کا حصہ رہا بلکہ ہر مشکل گھڑی میں ایک مضبوط سہارا بھی ثابت ہوا۔

تہمینہ شاہد

بی ایس اردو

باب اول

معظمہ نقوی کی حالات زندگی اور شخصیت

ڈیرہ غازی خان کی مشہور شاعرہ اور مصنفہ سیدہ معظمہ بتول اس دور کا مشہور چمکتا ہوا ستارہ ہے معظمہ بتول جنوبی پنجاب کے ڈویژن ڈی جی خان کہ محلہ غازی شیر میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا اصل نام معظمہ نقوی ہے۔ وہ 12 جولائی 1990 میں ڈیرہ غازی خان کے محلہ غازی شہر میں پیدا ہوئیں۔

"میرا نام میرے نانا نے تجویز کیا
اور میرا قلمی نام معظمہ نقوی ہے۔(1)"

ان کے والد کا نام سید کفایت حسین اور دادا کا نام سید منظور احمد ہے ان کے والد محترم کی اولاد میں سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں جن میں معظمہ بتول کا نام صف اول پر ہے معظمہ بتول جو کہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہیں۔ معظمہ نقوی کو بچپن سے ہی شاعری سے لگاؤ تھا۔ ان کے والد صاحب فوٹو گرافی سے منسلک رہے ہیں وہ اپنے والد کے بارے میں لکھتی ہیں :

"اللہ تعالی ان کا سایہ ہم پر ہمیشہ صحت و سلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔(2)"

معظمہ بتول کے والدہ صاحبہ ایک سگھڑ گھریلو خاتون ہیں۔ انہیں اپنی والدہ سے بے حد محبت و عقیدت ہے۔ میری والدہ ایک شاندار خاتون ہیں، بہت زیادہ پیار کرنے والی بہت زیادہ محنتی اور سب کا درد رکھنے والی خاتون ہیں۔ اپنے والد کے بارے میں لکھتی ہیں میرے والد صاحب کل کائنات ہیں۔ میرے والد صاحب کے بغیر میرا وجود بے جان و بے معنی ہے۔

"میرے والد صاحب فوٹو گرافی سے منسلک ہیں اور میری والدہ ہنر مند گھریلو خاتون ہیں(3)"

میرے کل دو بھائی اور ایک بہن ہے اور مجھے ملا کر ہم چار بہن بھائی ہیں وہ بھی بہت ملنثار اور بے حد محبت و عقیدت رکھتے ہیں بڑے بھائی ایم فل کر رہے ہیں اور ہوم اکیڈمی چلاتے ہیں ساتھ سٹر پرائیویٹ سکول میں میتھ ٹیچر ہیں چھوٹے بھائی کچہری میں رجسٹری برانچ میں جاب کرتے ہیں۔

میری پرورش ننھیال میں ہوئی۔ میری والدہ محترم بھی اپنے گھر کی بڑی بیٹی تھی۔ اور میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی جس کی بنا پر میرے ننھیال والوں کو مجھ سے بے پناہ محبت و عقیدت تھی۔ وہ لکھتی ہیں۔

"امی بہنوں میں بڑی ہیں میں پہلا بچہ تھا تو مجھ سے دودھیال کو سہارا ہو گیا اور یری اماں جان نے مجھے اٹھا لیا۔(4)"

ان کا کہنا ہے کہ والدہ سے مجھے بے پناہ محبت وعقیدت تھی اپنی نانی جان کو اپنی ذات کی پہلی محبوب مانتی ہوں۔ وہ بھی ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی جس طرح نانی جان سے محبت توعقیدہ تھی اس طرح ناناجان سے بھی بے پناہ عقیدہ تھی۔

میرے ناناجان لازوال ہستی ہیں وہ میرے رشتے میں بزرگ محترم لازوال فن وجرأتوں کے مالک نانا حضور ہیں۔ ان کا مکمل نام سید مشتاق احمد جعفری ہے۔ ان کی تاریخ پیدائش 1919-04-19 ہے۔ پیشہ کے لحاظ سے ایک پینٹر تھے آپ کا شجرونصب حضور پاک کی اٰل اطہار سے حضرت علی المرتضیٰ کہ بیٹے امام جعفر صادق کے فرزند الصرافی سے منسوب ہے۔

"میرے ناناجان سید احمد شاہ جعفری مصروف ملا سیکل شاعر سید افضل اللہ حسن المعروف شفقت کاظمی صاحب کے برادر نسبتی ہیں۔(5)"

ان کے ناناجان نے اپنی عملی زندگی کا آغاز 15 برس کی عمر سے ہی شروع کرلیا تھا دنیاوی تعلیم کو مکمل کیا تو اب عائشہ نے آپ کی سوچوں میں ارتعاش پیدا کردیا آپ نے جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے فوٹو گرافر لباٹری میں اپنی فن کو پوری طرح ذمہ داری سے آگے بڑھایا بطور سینیئر سرکاری خدمات پر معمور ہوگئے۔

"یارب تیری نگاہ کا امیدوار ہوں

توہی نام ونصیر ورب غفور ہے

سراسر تیری ذات ہے رحمان ورحیم

میرا ہر ایک جزوسراپہ قصور ہے(6) "

ان کی پرورش ننھیال میں ہوئی ابتدائی تعلیم اسکول نمبر ائپ سے حاصل کی۔ اعلی ثانوی تعلیم شہر کے قدیم ہائی سکول ملا قائد شاہ سے مکمل کی جب کہ انٹر گورنمنٹ کالج برائے خواتین ڈی جی خان سے کیا۔ گریجویشن اور ماسٹرز کی تعلیم کے لیے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا انتخاب کیا تعلیم کے ساتھ مختلف پرائیویٹ سکولز میں کیا ایڑمتر وسیچنگ کہ فرائض کو بھی بخوبی نبھایا۔

ادبی دنیا میں 2018 میں متعارف ہوئیں۔ 2019 میں پہلا انتخاب "**کف دست**" جس کو انہوں نے پہلے ترتیب دیا 2021 ستمبر میں مرسیہ وسلام کا انتخاب "مودت نامہ" تدوین کیا۔ اس بارے میں لکھتی ہیں

"ان دو تالیفات کا مقصد میں نے اپنی ناقص العقل کے ذریعے یہ سوچا کہ مجھے اپنے بزرگوں کی پیروی میں قدم بڑھانا ہے۔ تو میں انہی کے نام سے خود کی پہچان بناؤں کیونکہ میرا فخر میرا وجود اور میری ذات کی شناخت انہی کے دم قدم سے ہے رب کائنات نے مجھے اپنی سوچ میں سرخرو کیا اور میری اوقات سے بڑھ کے مجھے نوازا ہے۔(7)"

2024 سے ملکی و غیر ملکی اخبارات، رسائل و جرائد میں جتنی آزاد تحاد پر لکھیں ان تمام کو یکجا کر کے جنوری 2023 میں اپنی پہلی تصنیف "نوائے نقوی" منظر عام پر لائیں۔

شاعری میں آزاد نظم کو اپنا و تیر بنایا اور "آخری بارش" کی صورت میں اپنے قارئین کی نظر کیا۔ اس کے علاوہ غزل و متفرق اشعار سلام و قطعات نیز افسانہ نگاری اور سرائیکی زبان میں بھی شاعری پر کام جاری رکھا۔ ڈیرہ غازی خان کی ویکیپیڈیا میں نامور شخصیات کے فہرست میں بطور شاعرہ ان کا نام درج ہو چکا ہے

"اک آرزو ہے کہ ایسا کام کر جاؤں

ادب کے سمندر میں ایک لازوال

قطرہ بن کر ہمیشہ کے لیے امر ہو جاؤں۔(8)"

شخصیت

ہر انسان ایک الگ شخصیت کا حامل ہو تا ہے ہم کسی شخصیت سے متاثر ہو تو سکتے ہیں مگر پوری طرح اس انسان کی شخصیت کو اپنا نہیں سکتے اگر ہم کسی سے متاثر ہو کر اپنی شخصیت کو سنورتے ہیں تو وہ ہماری اپنی شخصیت ہو گئی جو الگ روپ میں ہمارے سامنے آئے گی اصل میں شخصیت کیا ہے ظاہری حسن اور خوبصورتی؟ خوبصورت خد و خال؟ نہیں بلکہ وہ بیان جو انسان کے عمل سے ظاہر ہو کے ہمارے سامنے آئی۔ جو شخصیت کی اصل صورت ہے حسن سلوک، حسن کردار اور حسن عمل جو دوسرے انسان کو متاثر کر تا ہے شخصیت کا حقیقی حصہ ہو تا ہے بل گریڈ کے مطابق

"شخصیت کردار کی انفرادی خصوصیات کا نام ہے جو اپنی تنظیم کے ذریعے فرد کی اور اس کے تمام تر ماحول سے منفرد مطابقت کا یقین کرتی ہیں۔(9)"

منفرد شخصیات میں شامل ہونے والی ایک شخصیت جدید دور کی مصنفہ معظمہ نقوی کا آتا ہے جن کو کسی بھی تعارف کی ضرورت نہیں ان کے تعارف کے لیے ان کا نام ہی کافی ہے معظمہ نقوی کا تعلق ایک عظیم گھرانے سے ہے جن کی ادبی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

ایم اے کی تعلیم علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے مکمل کی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف پرائیویٹ اسکولز میں ایڈمنز ٹیچنگ کے فرائض بھی بخوبی نبھائے۔ کچھ عرصہ اسٹیٹ لائف انشورنس پالیسی سے بھی منسلک رہی۔ یہاں کی تربیتی پالیسی ورک شاپ بھی مکمل کیا۔ مگر شعبہ نہ بنا سکی۔

"میری تعلیم ایم اے اردو ہے اور ہاؤس وائف ہوں کوئی ذریعہ روزگار نہیں ہے "(10)

"اپنی اماں جان سے مجھے بے پناہ محبت وعقیدت ہے ان سے یوں کہہ دوں اگر تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ میری ذات کی پہلی محبوب تھی اور وہ بھی مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہیں"(11)

ان کی فطرت عام لڑکیوں کی طرح کبھی نہ تھی رنگ برنگے بھڑکیلے کپڑوں کا بھی جنون نہ رہا نہ زیورات اور دیگر کھلونے جو ہر لڑکی کی کمزوری ہوتی ہیں اگر ان کی توجہ کا کوئی مرکز بنایا کمزوری سمجھ لیں تو خوبصورت ہے اور ہر سال کی نئی ڈائری یا پھر ہر رنگ کے پھول تھے۔

معظمہ نقوی کی شخصیت انتہائی نفیس ہے نرم مزاج اور خاموش طبیعت کی مالک ہیں دوست بھی بہت کم بنائے ان کا زیادہ تر وقت گھر اور کتابوں میں گزرا زیادہ تر دینی کتابیں پڑھیں ان کا کہنا ہے۔

"گھر کا ماحول باپردہ مذہبی اور سخت تھا سلیبس اور دینی کتب کے علاوہ گھر میں کسی کتاب کا پڑھنا منع تھا"(12)

کہتے ہیں کہ اگر خود میں موجود کسی بھی فطری صلاحیت کی نشونما پر بھرپور توجہ دی جائے تو وہ ناموافق حالات اور وسائل کی کمی کے باوجود بھی اپنے ظہور کے مواقع ڈھونڈ ہی لیتی ہے غیر معمولی جدوجہد اور استقامت ایسے منزل سے قریب کرنے میں معاون ہوتی ہے۔

باقاعدہ طور پر معظمہ نقوی نے 13 سال کی عمر میں اپنی پہلی نظم "**منتظر نگاہیں**" لکھی. اور پھر اس کو اپنی اس وقت کی اکلوتی سہیلی کو سنائی اس کے بعد جو بھی نظم لکھی اس کو سنائی یوں جلد خود کو منظر عام پر لانے کا کوئی ساز گار ماحول میسر نہ آسکا اور وقت کے دھارے سب چھوڑ دیا ان کا کہنا ہے۔

"صد شکر مولا پاک کے میرے ہمسفر نے اس معاملے میں مجھے بہت ہمت و حوصلہ دیا۔ ہر حوالے سے میرا ساتھ دیا اور یوں ادب سے عقیدت کا رشتہ مضبوط رہا۔"(13)

معظمہ نقوی ایک ایسی قلم کار ہے جنہوں نے اپنے عزم و استقامت سے خود میں موجود ہنر کو نہ صرف نکھارہ بلکہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔اور خود کو صاحب قلم کی حقیقت سے متعارف کروایا انتہائی کم عمری میں وہ الفاظ و احساس کے ساتھ جذباتی طور پر بند ہو گئی یہ رشتہ کچھ اس طرح جڑا کہ نہ مصائب حالات کے باوجود بھی قائم رہا بقول سید نعیم الحسن نقوی

"مجھے اپنی آفازادی بہن معظمہ نقوی پر فخر ہے بہت سنجیدہ باوقار لکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ منفرد انداز و بیان کی بدولت ان کی تحریر سے اکتاہٹ نہیں ہوتی۔ یقین ہے اس معیار پر قائم رہیں گی دعا گو ہوں میری بہن کو مولا کریم ہمیشہ عزتوں سے نوازے"(14)

جس طرح شفقت کاظمی نے ہر قسم کی محرومیوں کے باوجود اپنے آپ کو منوایا اس طرح معظمہ نقوی بھی ہزاروں شاعرات کی موجودگی میں اپنا نام بنانے میں کامیاب ہوئیں اور ابھی تک ہو رہی ہیں معظمہ نقوی نے کتنے خوبصورت الفاظ میں اپنے فن کی بات کہہ دی۔

کسی کو محبت کی اس ہے

تم بن کوئی اداس ہے(15)

کائنات میں پیدا ہونے والا ہر انسان اپنے ساتھ ایک پوٹینشل نامی اور امکانی صلاحیت لے کر پیدا ہوا ہے اس کے اندر وہ سبھی کو جو ہو تا ہے جس سے وہ اپنی زندگی کو بہتر طور پر گزار سکے۔ ہم میں سے بیشتر لوگ ایک متوسط زندگی یعنی عام سی زندگی گزار کر دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ اور کچھ بھی لوگ اپنے اندر موجود فطری صلاحیت کو باش کر کے خود کو ایک فنکار کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

تخلیقی سفر

بے شک ہر فنکار کا اپنا اپنا معیار ہو تا ہے اور ہر فن قابل قدر ہو تا ہے جس سے لوگوں کے جذبات وابستہ ہوں ایک فنکار اپنے جذبات کی اس طرح آبیاری کر تا ہے کہ وہ ایک دن کی پہچان بن جاتا ہے۔ اب تک بے شمار لوگوں نے غیر موافق حالات میں اپنی لگن اور محنت سے اپنے اندر موجود صلاحیت کو نکھارا ہے اور اسے ایک فن میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے ۔

ادب کی دنیا میں 2018 میں متعارف ہوئی 2019 فروری میں پہلا انتخاب **"کف دست"** جس کو انہوں نے بہت پہلے ترتیب دیا تھا۔ اور منظر عام پر لے آئیں اور اس کے بعد 2021 ستمبر میں مرثیہ و سلام کا انتخاب **"مؤدت نامہ"** تدوین کیا۔

2014 میں ملکی اور غیر ملکی اخبارات و رسائل اور جرائد میں جتنی آزاد اتحاد پر لکھی ان تمام کو یکجا کر کے جنوری 2023 میں اپنی تصنیف نور کے نقوی منظر عام پر لائی یہ کتاب میری آزاد تخلیقات تحقیقی مضامین **"کالم و تبصرہ جات"** پر مشتمل ہے ۔

ادبی خدمات اور اعزازات

ادبی رسائل و اخبارات میں بطور ادبی لکھاری خدمات انجام دی ہیں۔ ڈی جی خان سے شائع ہونے والے ادبی رسالے **"نوائے نقوی"** میں مستقل کالم لکھے، جن میں شامل ہیں:

- **مصنوعی محبت**
- **سستی شہرت**
- **ادب کی خستہ حالی**
- **عاشقوں کا دن نہ ہوتا**
- **کرونائی دور کا ادب**

اعزازات اور ایوارڈز (2019–2023)

اب تک 2019 سے 2023 تک **35 سے 36** قومی و بین الاقوامی ایوارڈز اور اعزازات حاصل کر چکی ہیں، جن میں شامل ہیں:

1. **سچ ٹائمز میڈیا گروپ، ملتان** – سندِ اعزاز (2019)
2. **سچ ٹائمز میڈیا گروپ، ملتان** – سندِ اعزاز (2020)
3. **ادبی فاطمہ انٹرنیشنل** – واٹس ایپ گروپ کی جانب سے ایوارڈ برائے ادبی خدمات
4. **بزمِ غالب انٹرنیشنل** – سندِ اعزاز و علمی و ادبی خدمات پر ایوارڈ
5. **عالمی سندِ اعزاز برائے ادبی خدمات** – ادبی ثقافت کلر انٹرنیشنل (2021)

6. **ارمغانِ ادب کتب ایوارڈ** – مودّت نامہ (2022)
7. **الوکیل کتاب ایوارڈ** (2023)
8. **محمد علی فیڈریشن ایوارڈ**
9. **نور احمد غازی ایوارڈ**

شاعری

شاعری میں **آزاد نظم** کو ترجیح دی اور اپنی شاعری کو "**آخری بارش** "کی صورت میں قارئین کے لیے پیش کیا۔

تصانیف

معظمہ نقوی کی تصانیف یہ ہیں

1. **کف دست**
2. **موّدت نامہ**
3. **نوائے نقوی**
4. **آخری بارش**

حوالہ جات

1. معظمہ نقوی، مکالمہ از راقم، بمقام ڈیرہ غازی خان، 13 اکتوبر 2024، بوقت 4:45۔
2. ایضاً۔
3. ایضاً۔
4. معظمہ نقوی، مکالمہ از راقم، بمقام ڈیرہ غازی خان، 16 اکتوبر 2024، بوقت 5:45۔
5. ایضاً۔
6. معظمہ نقوی، نوائے نقوی، ڈیرہ غازی خان: پریس فار پیس پبلشرز۔
7. معظمہ نقوی، مکالمہ از راقم، بمقام ڈیرہ غازی خان، 17 اکتوبر 2024، بوقت 16:00۔
8. معظمہ نقوی، آخری بارش، ڈیرہ غازی خان: پریس فار پیس پبلشرز، 2023، ص 15۔
9. "معظمہ نقوی"، ویکیپیڈیا، آن لائن دستیاب۔ (رسائی: 2024)۔
10. معظمہ نقوی، مکالمہ از راقم، بمقام ڈیرہ غازی خان، 19 اکتوبر 2014، بوقت 3:15۔
11. ایضاً۔
12. ایضاً۔
13. ایضاً۔
14. سید نعیم الحسن نقوی، مکالمہ از راقم، بمقام جام پور، 18 اکتوبر 2024، بوقت 11:50۔
15. معظمہ نقوی، آخری بارش، ڈیرہ غازی خان: پریس فار پیس پبلشرز، 2023، ص 15۔

باب دوم

اردو شاعری میں تانیثیت کی روایت

شاعری میں تانیثیت کی روایت

اردو ادب میں **تانیثیت** سے مراد ایسا ادب ہے جس میں خواتین کے **سیاسی، معاشی، معاشرتی** اور دیگر جملہ حقوق کے متعلق اظہارِ خیال کیا گیا ہو۔ **تانیثی ادب** کا آغاز سب سے پہلے مغرب میں **انقلابِ فرانس** اور **صنعتی انقلاب** کے آنے سے ہوا۔ **اٹھارہویں صدی** میں خواتین کو **ووٹ کا حق** دیا گیا۔ **1792** میں **ایڈمنڈ برک** نے ایک کتاب A Vindication of the Right men لکھی، جس کے جواب میں 1792ء میں میری وول اسٹون کرافٹ نے(A Vindication of the Rights of Woment) لکھی۔

اس کے بعد اسی تناظر میں "**ورجیناوولف**" (A room of ones own) اور "**سیمون دی بوار**" (The second sea) لکھی مشرق میں اس تحریک کو بیسویں صدی میں مقبولیت حاصل ہوئی اردو ادب کا دامن تانیثیت کے لیے ہمیشہ موضع کھلا رہا پدرانہ تسلط اور مشرقیت تانیثیت راہ میں رکاوٹ رہی ہیں۔ اردو شہری کی دنیا میں تانیثیت کی بنیاد ماہ لقابائی چندا، خیر النساء، آمنہ خاتون، عصمت آرا، ادا جعفری، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر اور بہت سے کئی نام شامل ہیں۔

تانیثیت

عربی زبان کا لفظ ہے جو تانیث سے مشتق ہے اور انگریزی متباد "feminism" بذات خود لاطینی لفظ "femina" سے ماخذ ہے۔ "feminism" دراصل فرانسیسی لفظ "feminism" سے اخذ ہے جو بعد میں انگریزی شعری ادب میں feminism بن گیا۔

تانیثیت معنی و مفہوم

تانیثیت انگریزی اصطلاح "femnism" کا اردو ترجمہ ہے۔ جسے ادب میں عام طور پر تحریک تحفظ حقوق نسواں کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں یہ عورت کی آزادی کے لیے ایک تحریک ہے۔ قومی انگریزی اردو نعات میں فیمینزم کے معنی کچھ یوں بیان کیے گئے ہیں۔

"نظریہ حقوق نسواں تحریک نسواں نظریہ سیاسی اور سماجی لحاظ سے عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہونے چاہیے ایسے حقوق حاصل کرنے کی تحریک کسی مرد میں نسوانی خصوصیت کی موجودگی عورت، نسوائیت تانیثیت ہے۔(1)"

تانیثیت تحریکِ نسواں حقوق نسواں دراصل تمام وہ تحریکیں ہیں جن کا اصل مقصد اور مدعا عورتوں کو ان کے **درست مقام کا شعور** دلاتے ہوئے **مرد کے استحصالی نظام** اور **انفرادی و اجتماعی** سطح پر **مرد کے جبر و استبداد** کے خلاف آواز اٹھانا ہے۔

ڈاکٹر **فاطمہ حسن** اپنی تصنیف "فیمنزم اور ہم" میں اس اصطلاح کو کچھ یوں بیان کرتی ہیں:

"فیمنزم نسائی شعور کی بیداری ہے وہ شعور جو عورت کو بحیثیت انسان کے مقام و منصب میں کمتر سمجھنے کو رد کرتا ہے اس میں عورت و مرد کی تخصیص نہیں(2) "

تانیثیت دراصل ایک ایسا **سماجی نظام** قائم کرنے کی کوشش کا نام ہے جس میں خواتین کے لیے **کام کرنے** اور **اپنی زندگی بہتر انداز میں اپنی مرضی سے گزارنے** کے مواقع دستیاب ہوں۔ وہ تمام خواتین اور مرد جو **خواتین کی کم تر حیثیت کو بدلنا چاہتے ہیں**، وہ سب **فیمنسٹ** کہلاتے ہیں۔

پروفیسر **شہناز** اپنی کتاب "فیمنزم تاریخ و تنقید" میں **تانیثیت** کے بارے میں لکھتی ہیں:

"فیمنزم تحریکات کا مجموعہ کا نام ہے جس کا مقصد عورتوں کو مردوں کے برابر سیاسی سماجی اور معاشی حقوق دینا ہے مختلف دور میں پدری سماج میں عورتوں کی حکومت کے خلاف اواز اٹھانا ہے ان تحریکات کے ذریعے عورتوں کے حقوق کی تاریخ مقرر کرنے ان کی شناخت قائم کرنے اور تعلیم اور روزگار میں انہیں برابر مواقع دینے کی حمایت ہوتی رہی ہے۔(3) "

تانیثیت کا آغاز

یورپ میں حقوقِ نسواں کی ابتدائی آوازیں **انیسویں صدی** کے آغاز میں سنائی دیتی ہیں۔ **حقوقِ نسواں پر مبنی ایک سیاسی و معاشرتی رجحان** بعد میں **تانیثیت کی تحریک** کی شکل اختیار کر گیا۔

ڈاکٹر **قاسم یعقوب** تانیثیت کی ابتدا کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عورت کو سمجھنے کی طرف پہلا بنیادی تھیسیس یورپ میں پیش ہوا مگر یہ تھیسیس عورت اور مرد کے درمیان برابری کے مسئلے کو اجاگر کرنا تھا اس میں کسی خطے کے کلچر یا سیاسی مسئلے کو بنیاد نہیں بنایا گیا عورت کیوں مرد سے حقیر تر ہے اور عورتوں کو ہی سماجی حقوق کیوں میسر نہیں جو صرف مرد ہونے کی وجہ سے

مــرد کو عطا کر دیے جـاتے ہیں یـہ وہ بنیـادی انسانی حقوق کا پہـلا سوال تھـا جو باقـاعـدہ تانیثی تحـریک کے آغـاز کا موجـب بنـا۔(4) "

مغرب میں تانیثیت کی تحریک کیسے وجود میں آئی اس کے لیے فرانس اور انقلاب کے بعد کی کچھ سرگرمیوں کا ذکر ضروری ہے فرانس میں نسائت نسائی نظریات اور تحریکوں کی تاریخ ہے اور فرانس میں نسائیت کو تین لہروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

.1 نسائیت کی پہلی لہر فرانس میں انقلاب فرانس تھی اور یہ فرانسیسی جمہوریہ سوم تک کا دور ہے جس کا تعلق خاص طور پر خواتین کا حق کے رائے دہی اور حقوق نسواں تھا فرانسیسی انقلاب 1844 اور پیرس کمیون کی انقلابی تحریکوں کی طرف سے اہم شراکتیں ہوئیں جس کا اختتام 1944 میں ہوا جب خواتین کو ووٹ کا حق ملا۔

.2 نسائیت کی دوسری لہر 1940 میں آئی جب معاشرے میں خواتین کے کردار کا جائزہ لینے کا دور تھا جب معاشرے میں خواتین کے ساتھ مردوں کے مقابلے میں سیاسی حیثیت کے باوجود کم تر سلوک ہوتا تھا سیمون دی بوارنے جیسے نظریات سازوں کے زیر اہتمام نسائیت کی دوسری لہر شروع ہوئی۔

.3 نسائیت کی تیسری لہر 2000 کے بعد جاری ہوئی اور اس میں خواتین کے بہت سے مطالبات پورے ہو چکے تھے فرانس میں نسائیت کی بنیاد انقلاب فرانس کے دنوں سے استوار ہونا شروع ہوئی۔

انقلاب فرانس کے اولین یعنی 1789 میں نیشنل اسمبلی میں خواتین کا ایک پٹیشن پیش کیا گیا لیکن اس پٹیشن پر مباحث کی اجازت نہ مل سکی اسی دوران بہت سی خواتین حقوق نسواں کی علم بردار بن کر اٹھ کھڑی ہوئیں فرانس میں نسائیت کی تحریک کا ایک اہم سنگ میل 1790 میں پیش کیا گیا۔ انیس ہارون اپنے مضامین فیمنزم اور پاکستانی عورت میں لکھتے ہیں۔

"فیمنزم ایک احـاسـس کا نام ہے جس کا مطلـب ہے معـاشـرے مـیں پدری نظـام مسلط ہے اور نظـریاتی سطح پر عورت کی محنت حیثیت اور اولاد پیـدا کرنے کی صـلاحیت اور کام کرنے والی جگـہ پر غـرض پورے معـاشـرے مـیں استحصال کیـا جـاتا ہے اور اسے کچلا جـاتا ہے وہ تمـام مـرد اور عورتیں جو اس حـالات کو بدلنا چاہتے ہیں وہ فیمینسٹ ہیں(5)"

انقلاب فرانس کے ابتدائی دنوں میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے بل پیش کیا گیا جو منظور تو نہ ہوا مگر اس سے خواتین میں بیداری کی لہر دوڑ گئی اور خواتین کی ایک بڑی تعداد خواتین کے حقوق کی علم بردار بن گئیں انیسویں صدی میں اس تحریک میں تیزی آئی اور اب یہ تحریک فرانس سے نکل کر جرمنی اور امریکہ تک پہنچ گئی تانیثیت کی علم بر داشت خواتین نے معاشی، سیاسی اور نسلی پہلو سے اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھائی اور بالاخر دنیا کے مختلف ممالک میں اس حوالے سے قوانین بنائے جانے لگے اس حوالے سے کشور ناہید لکھتی ہیں۔

"معاشی، ریاستی، تہذیبی سیاسی اور سماجی زندگی کے تمام شعبوں میں سویت یونین کی عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیتے ہیں۔(6)"

19ویں صدی میں فرانس کی خواتین اپنے حقوق کے لیے کھل کر آواز بلند کرنے لگی اس تحریک کے دوران 1833 میں شائع ہونے والے منفرد پمفلیٹ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ جس میں خواتین کی آزادی پر زور دیا گیا تھا ڈاکٹر نجینہ عارف لکھتی ہیں۔

"تانیثیت کی دوسری لہر دوسری جنگ عظیم 1980 تک کے عرصے پر محیط ہے جس میں مرد و زن کے مساوات کو موضوع بنایا گیا تیسری لہر بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں سامنے آئی اس کے ساتھ ساتھ مابعد تانیثیت کے عنوان سے ایک متوازی رجحان بھی نمایاں ہوا جس میں تانیثیت کے مباحث سے اختلاف کی صورت نمایاں ہوئی۔(7)"

مادر سری خاندان میں عورت کی مرکزیت ثابت کرتی ہے۔ کہ عورت مرد پر فوقیت رکھتی تھی قبائلی زندگی میں قانون اور بالادستی کا تصور عورت کی ذات سے ہی وابستہ تھا آہستہ آہستہ تبدیلی کا عمل اس نوعیت تک آ گیا کہ مادری نظام سے انسان نے پدر سری خاندانی نظام کی طرف سفر کیا۔

زاہدہ حنا لکھتی ہیں۔

"مدرسری معاشرے کے زوال کے بعد پدرسری معاشرے کا آغاز ہوا جس میں باپ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی زمین کی طرح عورت بھی اس کی ملکیت قرار پائی۔(8)"

فیمنزم پدرسری معاشرے میں مادری اور نظریاتی سطح پر عورت کی جنسیت محنت کام کرنے کی جگہ پر اس کے استحصال کے خلاف آواز بلند کرنے کا دوسرا نام ہے۔

اردو شاعرات کا نسائی شعور

اگرچہ برصغیر کے سماجی نظام میں یہ گنجائش بہت کم تھی کہ خواتین اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر سکیں پھر بھی اس صدی کے دوران انہوں نے جو ادب تخلیق کیا اسے نظر انداز کرنا ممکن نہیں رہا اس صدی میں خواتین نے جو ادب تخلیق کیا وہ اردو ادب کے ورثے میں بہت اہم اور باوقار اضافہ ہے اس کے ذریعے سے تخلیقی اظہار کے کچھ ایسی جہتیں سامنے آئی ہیں۔ جن کی وجہ سے ان کا خصوصی مطالعہ کرنا ضروری ہو گیا۔

اردو کا قدیم ادب شعری صورت میں ملتا ہے اور کلاسیکی شاعری میں عورت کا حسن ظاہری خدوخال اور خوبصورتی تو نظر آتی ہے لیکن بحیثیت تخلیق کار اس صنف کا وجود بہت موہوم ہے معروف اور بہت اہم تذکرہ نگاروں کے اردو تذکروں میں عورت کا وجود ڈھونڈنے سے نہیں ملتا حالانکہ اس وقت بھی خواتین لکھاری موجود تھیں اور تسلسل سے علم وادب کی آبیاری میں مصروف عمل تھیں۔ ان شاعرات کے تخلیق (کیا وہ اردو ادب کے ورثے میں بہت اہم) میں پدرسری معاشرے کے دوہرے معیارات کے خلاف احتجاج بھی نظر آتا ہے اور شعور و آگاہی بھی نظر آتی ہے۔ اسی حوالے سے چند اہم شاعرات درج ذیل ہیں۔

زخ ش (1894 تا 1922)

زخ ش کا اصل نام زاہدہ خاتون شیروانیہ ہے لیکن رسائل اور جرائد میں ان کی تخلیقات زخ ش کے نام سے شائع ہوئی ہیں وہ 8 دسمبر 1894 میں بھی بھیکم پور علی گڑھ کے ایک پڑھے لکھے اور روشن خیال گھرانے میں پیدا ہوئی انہیں بچپن ہی سے علمی ماحول میسر آ گیا تھا- اسی لیے انہوں نے اوائل عمری میں ہی لکھنا شروع کر دیا تھا اور اسی وقت کے معیاری ادبی رسائل و جرائد میں ان کی تخلیقات شائع ہونے لگ گئیں ان کی مثنوی "**آئینہ حرم**" ان کے نسائی شعور کی نمائندہ نظم ہے جو کہ 1915 میں تہذیب نسواں میں شائع ہوئی اس کی ہئیت مسدس ہے اور اقبال کی نظم "شکوہ" کی طرز پر بھی شکوہ ہے اور یہ شکوہ صنف بر تر یعنی مرد سے ہے اس نظم میں شاعر ان برصغیر پاک وہند کی خواتین کے معاشی اور سماجی حالات کا بڑے دردمندی سے ذکر کیا ہے۔

انیس خاتون شیروانیہ لکھتی ہیں۔

"ملک و قوم مذہب ملت اور فرقہ نسواں کا جیسا کچھ درد ان کے دل میں سازی عمر موجزن رہا ان کا کلام خود یکسر شاہد عدل ہے۔(9)"

زرخ ش "آئینہ حرم" میں ہندوستان کی خواتین کی قابل رحمت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ یہ وہ صنف ہے جسے محد سے لحد تک ظلم اٹھانے پڑتے ہیں جو تیر کھا کر بھی عشق خشانی نہیں کر سکتی جس کے دل کی حسرتیں اس کے اپنے دل کے سوا کوئی سننے والا نہیں اور وہ ان الفاظ میں شکوہ کناں ہے:

بھائیو آہ رہے سینے میں مدفون کب تک

دل ہی دل میں گلا تالع وارثوں کب تک

آستین سے ہوں نہا دیدہ پر خوں کب تک

غم کو پوشیدہ رکھے خاطر محزوں کب تک

حال دل کیوں نہ کہیں؟ منہ میں زبان رکھتے ہیں

ہم بھی پہلو میں دل اور جسم میں جاں رکھتے ہیں(10)

پرندوں کو بھی قفص میں گانے اور چہچہانے کی اجازت ہوتی ہے جب کہ خواتین کو پردوں میں چھپا کر گھر کی چار دیواری میں قید کر دیا جاتا ہے اور اس پر ستم یہ کہ انہیں شکوہ فریاد کرنے اور تڑپنے کی اجازت میسر نہیں اور وہ اپنی اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہے۔

"اس سے تشبیہ نہ دو بے بس نسواں کو

رخصیت سیر گاہ ہے جب حیوان کو

ہے قفس میں بھی یہ سکھ بلبل خوش الحاں کو

یاد کر سکتی ہے رو رو کے گل خنداں کو"(11)

"آئینہ حرم" کے علاوہ بھی ان کے متعدد نظموں میں ان رویوں کی شکایت موجود ہے جو بحیثیت شاعرہ انہیں برداشت کرنا پڑ رہے ہیں ان کی نظم "حقائق" سے چند اشعار دیکھیں :

نہیں کہتی ہوں تم سے لائق تعظم و عظمت ہوں

بجا کہتے ہو واعظ قابل نفرین و نفرت ہوں

مریدوں ہی سے لینا داد اپنی غیب دانی کی

مجھے چکمے نہ دینا پیر و مرشد میں بھی حضرت ہوں(12)

زخ ش کی شاعری میں موجود نسائی شعور حقوق نسواں کے سلسلے میں پہلی سنجیدہ اور توانا آواز ہے انہوں نے اردو شاعری کو گل و بلبل اور عشق عاشقی کو روایتی مضامین سے نکال کر زندگی سے ہم آہنگ کرنے کی صحیح کی ان کے دل میں قوم کی فلاح و بہبود کا سچا جذبہ موجزن تھا اس جذبے کی جھلک ان کی شعری کے ساتھ ساتھ ان کے سوانح میں بھی ملتی ہے۔

نثار کبری عظیم آبادی:(1855)

نثار کبری کا تعلق بہار کے ایک پڑھے لکھے اور معزز گھرانے سے ہے وہ شمس العلماء خان بہادر سید وحید الدین کی نواسی اور اردو کی پہلی خاتون ناول نگار رشید النساء کی بیٹی ہیں نثار کبری 1895 میں پیدا ہوئی اور انہوں نے ابتدائی تعلیم اس وقت کے رواج کے مطابق گھر پر ہی حاصل کی اور اوائل عمری میں ہی لکھنا شروع کر دیا انہیں بہار کی پہلی صاحب دیوان شاعرہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے ان کی شعری اور تحریروں نے مختلف اخبارات اور رسائل میں شے ہو کر داد تحسین حاصل کی انہوں نے طویل نظم مرکہ عبرت میں ہندوستان میں خواتین کی حالت زار کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا :

گرفتار رنج و بلا و محن میں

فقط موت کی منتظر بیاں ہیں

حقوق شریعت سے محروم رکھ کر

ستم نت نئے اور جفا کاریاں ہیں(13)

نظم بتیا ہاؤس گرل اسکول کی خوشی میں اس سلسلے میں ایک نمائندہ نظم ہے جو انہوں نے ایک خواتین کے سکول کے افتتاح کے موقع پر کہی اس نظم میں بھی برصغیر پاک و ہند میں خواتین کی پسماندہ حالت کو عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

کسی کام کے بھی ناقابل ہیں نسواں

فقط نیم وحشی میں داخل ہیں نسواں

عزیزوں کے ہاتھوں میں گھائل ہیں نسواں

ہر قوم سے بڑھ کر جاہل ہیں نسواں(14)

نثار کبری تعلیم کو مال و دولت پر فوقیت دیتی اور خواتین سے خطاب کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ علم اور ہنر سیکھیں یہی وہ صورت ہے جس سے عورتوں کی عزت میں اضافہ اور معاشرے میں وقار بلند ہو سکتا ہے :

خدا رحم تم پر کرے بے زبانوں

سمجھ لو کہ یہ عارضی سختیاں ہیں

سبق لو زمانے سے علم و ہنر کا

سوا مال و دولت کے یہ خوبیاں ہیں

بس وقت کا حکم ناطق یہی ہے

کہ دنیا میں جو کچھ ہے تعلیم یہی ہے(15)

نثار کبرا نے نسائی شعور کے سلسلے میں ان کی نظم "مسلم عورتوں سے خطاب" اور "عورتوں سے سوال" بھی نہایت اہم ہیں۔

رابعہ پنہان(1906 تا1976)

رابعہ پنہاں بریلوی کا اصل نام رابعہ خاتون تھا جو سہارن پور میں پیدا ہوئی ان کے والد مولوی عبد الاحد جو ایک سر کاری دفتر اللہ آباد میں سپریڈنٹ تھے انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی بعد ازاں والد صاحب سے ہی عربی، فارسی اور انگریزی زبان سیکھی فارسی زبان سے شاعری شروع کی۔

بعد ازاں اردو کی طرف مائل ہو گئی اسی طرح پہلے غزلیں کہیں اور بعد میں نظمیں بھی تخلیق کی شاعری کے علاوہ نصر نگاری میں بھی کام کیا اور بہت سے افسانے لکھے اور اس وقت کہ ادبی جرائد اور رسائل میں اپنی شناخت بنائی یوں تو انہوں نے مختلف اصناف وشعر وادب میں کام کیا لیکن غزل اور نظم سے انہیں دلی وبستگی تھی۔ محمد جمیل احمد رابعہ پنہاں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"محترمہ رابعہ پنہاں کا شمار اپنے دور کی چند مخصوص اچھی شاعرات میں ہوتا ہے ان کے کلام میں پختگی اور نسائی شعور محسوس ہوتا ہے اور اپنے جذبات اور واردات قلب کی ترجمانی پر آپ کو قدرت حاصل ہے اور آپ کا کلام پڑھنے والے کو یہ ثابت کر دیتا ہے کہ آپ کتنا قادر الکلام ہو"۔(16)

رابعہ پنہاں کی نظم "صنف نازک "نسائی شعور کے حوالے سے اہم نظم ہے جس میں خواتین کو حرکت و عمل پر آمادہ کرتے ہوئے نظر اتی ہیں اور انہیں ملت کے زخموں کا مداوا بننے کی ترغیب دے رہی ہیں۔

اے حسن کامل مدہوش کیوں ہو

اس غم کدے میں خاموش کیوں ہو

سن گواش دل سے پیغام ملت

اب دیکھ رنگ آلام ملت(17)

تجھ پہ بنائے ملت ہے قائم

تو جسے امید راحت ہے قائم(18)

بلقیس جمال(1909 تا1982)

بلقیس جمال معروف شاعرہ رابعہ پنہاں کی چھوٹی بہن ہیں اور 1909ء میں پیدا ہوئی کم سنی سے ہی ادبی رسائل وجرائد میں لکھنا شروع کر دیا ان کی شعری اور نثری تحریریں اردو کے رسائل وجرائد کی زینت بنی فارسی اور اردو زبان کو وسیلہ اظہار بنایا اور ان کے دو مجموعہ کلام "**آئینا جمال**" اور "**قوس قزح**" منظر عام پر آئے ان کی شاعری نسائی حسیت دکھا بھی سے بھرپور ہے وہ اپنی نظم "نوجوان بیوہ" میں وہ ہندوستانی بیوہ خاتون کی حالت کو نہایت درد مندی سے بیان کرتی ہیں جو بھری دنیا میں اکیلی ہے جس سے زندگی جینے کا حق چھین دیا جاتا ہے وہ ہندوستانی بیوہ کی حالت بیان کر کے وہ معاشرے میں عورت کے ساتھ ہونے والے عمومی سلوک کو نمایاں کرتی ہیں۔

کیسے سنائے کہانی غم

کیسے دکھائے چشم پُرنم

کیسے بنائے انیس و ہمدم

کہاں سے لائے حبیب محرم(19)

بلقیس جمال نے اسلامی تاریخ کی کئی نامور اور بہادر خاتون کو اپنی شاعری میں پیش کیا اور خواتین کی اصطلاح کے لیے اپنی کئی نظم تخلیق کی نظم "ردائے فاطمہ" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں مسلمان عورتوں کو حضرت بی بی فاطمہ کی پیروی کرنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ دنیا اور آخرت میں فلاح حاصل کر سکیں:

دختر ہندوستان پھر گوش بر آواز ہو

محبلہ ہندی میں پھر بیدار خوب ناز ہو

ڈال ایک چشم بصیرت بر حیات فاطمہ

درس افضا کس قدر ہے حسن ذات فاطمہ

(20)

بلکہ بلقیس جمال اپنے شہر میں بر صغیر پاک وہند کی پستی کی وجہ جہالت اور علم سے دوری کو قرار دیتی ہیں۔

میری بہنوں ہم کو جہالت نے مارا

جہالت نے ہندوستان کو گرایا

جہالت نے غرق کی عورت کی کشتی

جہالت نے رد کی وطن کی ترقی

(21)

بلقیس جمال اپنی نظم "پیاری بہنوں سے "خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کی تلقین کرتی ہے :

زمانہ کو تعلیم کے دھن لگی ہے

تمدن کی تنویر چھائی ہوئی ہے

ہر ایک گل میں بوئے ترقی بسی ہے

ہر ایک قوم تیر کو شر مار ہی ہے(22)

زہرا نگاہ

زہرا نگاہ کا اصل نام فاطمہ زہرہ ہے اور وہ 14 مائی 1937 کو حیدر آباد دکن کے ایک ممتاز علی ادبی گھرانے میں پیدا ہوئی۔ ان کے والد کا نام قمر مقصود تھا اور وہ بدایوں کو پڑھے لکھے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد زہر نگاہ حیدر آباد دکن سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئیں۔ اور ادھر ہی اپنی تعلیم مکمل کی زہرا نگاہ کو شعر و سخن کا شوق ورثے ہی سے ملا۔

ابتدا میں زہرا نے اپنی شہری کا آغاز غزا سے کیا اور بعد اذاں نظم کی طرف مائل ہو گئیں۔ زہرا نگاہ کی شاعری میں ہمیں نسائیت کا انصر واضح طور پر ملتا ہے۔ اس کے نسائی شعور کے حوالے سے ان کے نظم "میں بچ گئی ماں" کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

میں بچ گئی ماں

تیرے کچے لہو کی مہندی

میرے پور پور میں رچ گئی ماں

گھر میرے نقش ابھر آتے

وہ پھر بھی لہو سے بھر جاتے

میری آنکھیں روشن ہو جاتی تو

تیزاب کا سرمہ لگ جاتا(23)

زہرا نگاہ بنیادی طور پر محنت کرنے والی ممتا بھرپور شخصیت کے مالک ہیں وہ اپنی نظم "ایک لڑکی" میں بارش میں بھیگتی دھندھا کرنے والی ایک کمسن لڑکی کو اپنی بیٹی کی طرح سمجھتی ہیں اور اسے گلے لگانا چاہتی ہیں۔ نمونہ کلام :

دفعتاً یہ دل چاہا

اس کو گود میں بھر لوں

لے کے بھاگ جاؤں میں

ہاتھ جوڑلوں اس کے

چوم لوں یہ پیشانی

اور اسے مناؤں میں

پھر سے اپنے آنچل کا

گھونسلا بناؤں میں

اور اسے چھپاؤں میں(24)

عورت کو مختلف مذاہب میں گناہ کا سرچشمہ اور منبہ خیال کیا جاتا ہے اسے مرد ذات کو بہکانے والی اور صراط مستقیم سے ہٹانے والی سمجھا جاتا ہے زہرا نگاہ عورت کے وجود پر لگے ان داغوں کو دھوڈالنا چاہتی ہیں۔

کشور ناہید

کشور ناہید 1940 میں بلند شہر ہندوستان میں ایک روایت پسند سید گھرانے میں پیدا ہوئیں ان کے گھرانے میں عورتیں پردے کی پابند تھی اور ساتھ سال کی عمر میں انہیں بھی برقہ پہنادیا گیا کشور بنیادی طور پر سوچنے سمجھنے والی اور ایک باغی خاتون تھیں ایک قدامت پسند ماحول میں پرورش پانے کے باوجود انہوں نے اپنی زندگی کے تقریبا تمام فیصلے روایت سے ہٹ کر کیے۔ نویں جماعت سے ان کی (تحریروں) تحریریں اخبارات میں شائع ہونا شروع ہو گئی تھی اور گھر والوں کو شدید مخالفت کے باوجود اپنا علمی و ادبی سفر جاری رکھا ان کا شعری کلیات "قیس میں لیلیٰ" کے نام سے سامنے آگیا۔

کس ور کے تمام تر شاعری عورت زاد کے گرد گھومتی ہے انہوں نے اپنی شاعری میں ایسے نسوانی جذبات اور مسائل کا اظہار بھی برملا کیا جنہیں بیان کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے کس پر ناہید کی ابتدائی شہری میں خواتین بالخصوص کم عمر لڑکیوں کے جذبات و احساسات کا اظہار ملتا ہے عشق جذبات اور خود پردگی کشور کے اس دور کی غزلیات میں نمایاں ہے۔

ہر قدم پر سائے ہیں، رنگت بھرو

ہر طلب کشکول ہے، چاہت بھرو(25)

کبھی نظر تو آ تسکین اضطراب تو دے

میری کھلی ہوئی آنکھوں کو کوئی خواب تو دے(26)

کشور ناہید کی نظموں میں ایک سوچنے سمجھنے والی خاتون نظر آتی ہیں جس کا صرف جسم نہیں بلکہ اس کا اپنا ایک نظریہ ہے اور فکر بھی ہے جو مرد کی طرح ایک مکمل انسان ہے تاہم صنف غالب یہ حقیقت تسلیم کرنے سے پس و پیش کرتی نظر آتی ہے کیونکہ اس صورت میں اس کا ناجائز اقتدار خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ نظم **"انٹی کلاک وائز"** کہ چند اشعار درج ذیل ہیں۔

میرے پیروں میں کروجیت

اور شرم وحیا کی بیڑیاں ڈال کر

مجھے مفلوج کر کے بھی

تمہیں یہ خوف نہیں چھوڑے گا

کہ میں چل تو نہیں سکتی

مگر سوچ تو سکتی ہوں(27)

کشور ناہید نے اپنی شاعری میں پدر سری معاشرے میں خواتین کے استحصال کی مختلف صورتوں سے بہادری کے ساتھ پردہ اٹھایا اور خواتین کے ساتھ ہونے والے ہر جبر کی مذمت کی۔ نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں :

میں نے اپنے زمانے کے فرعونوں سے التجا کی

کہ ہمارے پیدا ہوتے ہی

دفن کرنے کی رسم کو

شریعت بل کا حصہ بنا دو(28)

پروین فنا سید

پروین فنا سید کا اصل نام پروین سید ہے۔ اور وہ "فنا" بطور تخلیص استعمال کرتی ہیں۔ پروین فنا 1936 کو لاہور میں پیدا ہوئی ان کے والد صاحب کا نام سید ناصر حسین زیدی ہے۔ انہوں نے 15 سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا ان کے ابتدائی شہری میں ادا جعفری کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے انہوں نے فیض احمد فیض سے بھی اصطلاح لی۔ پروین فنا سید کی شہری آشوب حیات تک کا سفر ہے۔ ان کی شاعری میں سیاسی، سماجی, معاشی اور معاشرتی جبر کے خلاف مزاحمت ملتی ہے اور وہ خواتین پر ہونے والے ظلم و ستم اور استحصال کی مختلف صورتوں پر سراپہ احتجاج کرتی نظر اتی ہیں۔

نظم "**محافظ**" کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

مجھے بچالو ان وحشی لٹیروں سے بچالو

کہ میں بیٹی ہوں تمہارے وطن کی

محافظ نے جھپٹ کر

میری ہی چادر کو اچھالا

مجھے بھنبھور کے ہنستے ہوئے بولا

میرا حق ہے پہلے (29)

ان کی شاعری میں عورت ہر طرح کے ظلم و جبر برداشت کرنے کے بعد بھی سر سبز ہے اور تخلیق کار ہے۔ حقوق کی عدم موجودگی میں بھی فرائض ادا کرتے ہوئے تکمیل کے نشے میں خوش ہے۔ **پروفیسر رب نواز مونس** کہتے ہیں :

"پروین فنا سید کا شمار بھی ان شاعرات میں ہوتا ہے جو 70-1960 کی دہائی میں پورے شعور کے ساتھ لکھ رہی تھیں اور باقاعدگی سے مشاعروں اور ادبی محفلوں میں شریک ہوئی تھیں۔ (30)"

پروین فنا سید کی نظموں میں عورت پر بیت کرب کو تاریخ کے تناظر اور اپنی دھرتی کے اس تاروں میں بہت سادہ اور پر اثر انداز میں لکھا گیا ہے۔ ان کے مجموعہ کلام سے ایک نظم کے اشعار درج ذیل ہیں:

"راکشس"

پہلے کومل کلیوں کی مالائیں

پھول کی پتی پتی

دیوی کے چرنوں میں رکھی

دیوی علاج کے نشے میں

نین جھکائے

چنری کے پلو سے

مکھ کو چھپائے

من مندر میں پریم کی جوت جگائے

سوچ رہی تھی(31)

فہمیدہ ریاض

فہمیدہ ریاض **28جولائی1946** کو میرا(ہندوستان) میں پیدا ہوئی ان کے والد کا نام ریاض الدین احمد تھا جو ماہر تعلیم تھے فہمیدہ ریاض بنیادی طور پر نظم کی شاعرہ تھیں انہوں نے لکھنے کا آغاز زمانہ طالب علمی سے کیا۔ ان کی پہلی نظم 15 سال کی عمر میں رسالہ **"فنون"** میں شائع ہوئی۔ فہمیدہ ریاض کی شاعری حقوق نسواں اور تانیثی شعور کے حوالے سے نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی شاعری میں ایک پر اعتماد عورت اپنی مکمل شناخت کے ساتھ دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے روایتی شاعری سے انحراف کیا اور ان سماجی اور ادبی رویوں پر بھی قلم اٹھایا جن پر بات کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ **عامر علی** لکھتے ہیں۔

"دو دھار جنسی تجربات کو شعور میں اس طرح ڈھالنا کہ نہ تجربے کو زنگ پہنچے اور نہ ہی شعریت مجروح ہو۔ فہمیدہ ریاض کا صرف اردو

نہیں عالمی ادب میں بھی ایک ایسا کارنامہ تھا جس سے ایک بالکل نیا راستہ پیدا ہوا۔(32)"

فہمیدہ ریاض نے ایسے موضوعات پر بھی لکھا جو بہت تلخ تھے خواتین ان پر سوچتی تھی مگر اظہار نہیں کر سکتی تھیں۔خواتین کو خون خرابہ اور فساد کی جڑ لکھا جاتا تھا عورت کے بارے میں مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں ایک نظریہ ہے کہ عورت جنگ وجدل یا فساد کا محرک ہے اس بارے میں فہمیدہ ریاض اپنی نظم "**اقلیما**" میں لکھتی ہیں :

جو ہابیل کی قابیل کی ماں جائی ہے

ماں جائی

مگر مختلف

مختلف بیچ میں رانوں کے

اور پستانوں کے ابھار میں

اور اپنے پیٹ کے اندر

اپنی کوکھ میں

ان سب کی قسمت کیوں ہے(33)

ان کی نظم "**لوری**" اور "**بدن دریدہ**" میں ایک عورت کے ذہنی اور دلی کیفیات کی کشمکش کو نسائی شعور کے تحت بیان کیا گیا ہے ان نظموں میں عورت کے داخلی اور خارجی جذبات کی بھرپور نمائندگی کی گئی ہے۔ان کی نظم کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

کولہوں میں بھنور جو ہیں تو کیا ہے

سر میں بھی ہے جستجو کا جوہر

تھا پارہ دل بھی زیر پستاں

لیکن میرا مول ہے جو ان پر

گھبرا کے نہ یوں گریز پا ہو

پیمائش میری ختم ہو جب

اپنا بھی کوئی عضو ناپو(34)

فہمیدہ ریاض نے بطور عورت جنسی اظہار بھی ایک والہانہ انداز سے کیا اردو نظم میں عورت کے ہاں جنسی جذبات کا اظہار ایسے شدت اور بلند آہنگی سے پہلی مرتبہ ہوا۔ تانیثی فکر کے حوالے سے ان کے ہاں یہ بات سب سے اہم ہے کہ ہے وہ ان جذبات واحساسات کی نمائندگی کرتی ہیں جو اس سے پہلے صرف مرد کے اظہار تک محدود تھے۔

پروین شاکر

پروین شاکر **24 نومبر 1954** کو کراچی کے علم وادبی گھرانے میں پیدا ہوئیں ان کے والد کا نام سید شاکر حسین تھا۔ شاعری میں پروین شاکر کو معروف شاعر وافسانہ نگار احمد ندیم قاسمی کی سرپرستی ملی ان کے شعری مجموع میں خوشبو، صدبرگ، خود کلامی اور ماہ تمام شامل ہیں۔ پروین شاکر کی تمام شاعری نسائی جذبات واحساسات میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ان کی ابتدائی شاعری میں کم عمر اور معصوم لڑکیوں کے جذبات کی عکاسی ملتی ہے۔

حال پوچھا تھا اس سے ابھی

اور آنسو رواں ہوگئے(35)

پروین شاکر کی شاعری کا مرکز و محور عورت ہی ہے۔ وہ معاشرے میں عورت اور اس کی پسماندہ حالت کو اپنی شاعری میں بیان کرتی ہیں صنف نازک کی مجبوری و بے بسی بیان کرتے ہوئے کبھی کبھی خدا سے گلا کرتے ہوئے بھی نظر آتی ہیں۔ اپنی نظم "گلہ" میں بیان کرتی ہیں۔

اے خدا میری آواز سے ساحری چھین کر

تو نے سانپوں کی بستی میں کیوں مجھ کو پیدا کیا(36)

پروفیسر اصغر علی زیدی کہتے ہیں :

"پروین شاکر نے تانیثی فکر کے حوالے سے ان محسوسات کی بات کی ہے۔ جن سے ایک لڑکی تنہائی میں گزرتی ہے ان کی نظموں میں عورت کے ہاں ڈر اور جھجک کا انصر نظر اتا ہے خالص نسائی کیفیات کی عکاسی کرنے والی ان کی نظموں سے یہ بات واضح ہے کہ عورت محبت کا دوسرا نام ہے۔(37)"

پروین شاکر نے لہروں کو محسوس کیا جو مغرب سے مشرق کی طرف آ رہی تھیں۔ اور اس نسائی شعور کی لہر سب سے زیادہ طاقتور تھی۔ ان کی شاعری میں ان لطیف جذبات اور ان مخصوص کیفیات کا اظہار ہے جو عورت کی شخصیت سے عبارت ہیں۔ پروین شاکر کی نظم "**احتساب**" سے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

ہوا جو گندم کی پہلی خوشبو کی لمس سے لے کر

کڑوے بارود کی مہک تک

زمین کے ہمراہ رقص میں تھی

گماں یہ ہوتا ہے

اس رفاقت سے تھک چکی ہے

اور اپنی پازیب اتار کر

اجنبی زمینوں کی سرد باہوں سو رہی ہے

فضا میں سناٹا دم بخود ہے

ہوا کی خفگی ہی بے سبب ہے

کہ ابن آدم نے اپنے نیپام سے بڑھ کر

کوئی نیا بم بنالیا ہے(38)

حوالہ جات

1. ڈاکٹر جمیل جالبی، **"قومی انگریزی لغت"**، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، **1969**ء، ص**733**۔
2. ڈاکٹر فاطمہ حسین، **"فیمنزم اور ہم"**، وعدہ کتاب گھر، کراچی، **2013**ء، ص**6**۔
3. ڈاکٹر شہناز نبی، **"فیمنزم: تاریخ اور تنقید"**، ربران ادب، پہلی اشاعت، کلکتہ، **2007**ء، ص**17**۔
4. قاسم یعقوب، **"تانیثیت اور تانیثی تھیوری"**، مشمولہ **"لفظ اور تنقیدی معنی"**، اسلام آباد، **2017**ء، ص**13**۔
5. ایکس بارون، **"فیمنزم اور پاکستانی عورت"**، مشمولہ **"فیمنزم اور ہم"**، مرتبہ: خاطر حسن، وعدہ کتاب گھر، **2013**ء، ص**13**۔
6. کشور ناہید، **"عورت: خواب اور خاک کے درمیان"**، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، **1995**ء، ص**16**۔
7. ڈاکٹر نجیبنہ عارف، **"تانیثیت کے بنیادی مباحث"**، مشمولہ **"اقبال کا ناطہ نظر"**، شعبہ تحقیق، سندھ یونیورسٹی، **2009**ء، ص**260**۔
8. زاہد حنا، **"عورت: زندگی کا زندان"**، کراچی، **2004**ء، ص**16**۔
9. زخ ش، **"فردوسِ تخیل"**، لاہور، دارالاشاعت، **1941**ء، ص**1**۔
10. زخ ش، **"آئینہ محرم"**، لاہور، دارالاشاعت، **1921**ء، ص**10**۔
11. **ایضاً**
12. محمد جمیل احمد، **"تذکرہ شاعراتِ اردو"**، قومی کتب خانہ، بریلی، **1994**ء، ص**287**۔
13. پروفیسر اصغر علی زیدی، **"مکالمہ از راقم"**، بمقام راجن پور، **20 اکتوبر 2024**ء، بوقت **2:45**۔
14. رابعہ پنہاں، **"کلام رابعہ پنہاں"**، مرتب: حمیر خلیق، اکادمی بازیافت، کراچی، **2020**ء، ص**30**۔
15. بلقیس جمال، **"آئینہ جمال"**، دہلی، عظمت بک ایجنسی، **1933**ء، ص **81**۔
16. **ایضاً**، ص**11**۔
17. **ایضاً**، ص**46**۔
18. **ایضاً**، ص**44**۔
19. زہرا نگاہ، **"میں بچ ماں"**،)ریختہ لنک ـــــ(۔
20. زہرا نگاہ، **"شام کا پہلا تارا"**، دہلی، مکتبہ جامعہ، **1980**ء، ص**104**۔
21. کشور ناہید، **"لب گویا"**، سنگ میل پبلیکیشنز، **1991**ء، ص**45**۔
22. **ایضاً**، ص**52**۔
23. کشور ناہید، **"دشتِ قیس میں لیلیٰ"**، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، **2001**ء، ص**877**۔

24. **ایضاً**، ص**872**۔

25. پروین فناسید، **"حرفِ دعا"**، مکتبہ فنون، لاہور، **1904**ء، ص**137**۔

26. ڈاکٹر رب نواز مونس، **"مکالمہ از راقم"**، (براہ کرم مقام اور تاریخ فراہم کریں)۔

27. پروین فناسید، **"یقین"**، ایس ٹی پرنٹرز، گوال منڈی، **1993**ء، ص **92تا195**۔

28. فہمیدہ ریاض، **"سب اول و گہر"**، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، **2011**ء، ص**16**۔

29. فہمیدہ ریاض، **"بدن دریدہ"**، مشمولہ **"سبب محل"**، ص**130**۔

30. فہمیدہ ریاض، **"سب لعل و گہر"**، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ص**231**۔

31. پروین شاکر، **"ماہ تمام"**، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، **1995**ء، ص**114**۔

32. **ایضاً**، ص**314**۔

33. پروفیسر اصغر علی زیدی، **"مکالمہ از راقم"**، بمقام راجن پور، **23 اکتوبر 2024**ء، بوقت **2:50**۔

34. پروین شاکر، **"ماہ تمام"**، مراد پبلی کیشنز، اسلام آباد، **1994**ء، ص**62**۔

35. ڈاکٹر جمیل جالبی، **"قومی انگریزی لغت"**، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، **1969**ء، ص**333**۔

36. ڈاکٹر خاطر حسین، **"فیمنزم اور ہم"**، وعدہ کتاب گھر، کراچی، **2013**ء، ص**6**۔

37. ڈاکٹر شہناز نبی، **"فیمنزم: تاریخ اور تنقید"**، ربران ادب، پہلی اشاعت، کلکتہ، **2007**ء، ص**17**۔

38. قاسم یعقوب، **"تانیثیت اور تعبیری تھیوری"**، مشمولہ **"لفظ اور تنقیدی معنی"**، اسلام آباد، **2017**ء، ص**13**

باب سوم

"آخری بارش" کا فکری جائزہ

فکری جائزہ

شاعر اپنے داخلی جذبات واحساسات کو لفظوں کے سانچے میں ڈھال کر شاعری میں بیان کرتا ہے۔ جو جذبات واحساسات مشعر کی صورت میں ادا کیے جاتے ہیں۔ وہ نہایت مختصر جامع اور پر اثر ہوتے ہیں۔ روز مرہ زندگی کا مشاہدہ اسی بات کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی بھی انسان کیلئے اپنے احساسات و جذبات اور مشاہدات و تجربات کی عکاسی کا نام شاعری ہے۔ جو دلوں میں گداز اور لہجے میں شائستگی پیدا کرتی ہے۔ دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اردو ادب میں شاعر کو اولیت حاصل ہے۔ شاعری کی زبان منفرد ہوتی ہے۔ ہے۔ اس کا دامن بہت وسیع ہوتا ہے۔ طویل جملوں کی نسبت قاری شعر میں زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ اور اس طرح جلدی مائل ہو جاتا ہے۔ دنیا جہاں کے افکار و نظریات کو اپنے اندر سالیتی ہے۔ شاعری داخلی خارجی جذبات کا حسین اخراج ہے۔ اس سلسلے میں کلیم الدین احمد اپنی کتاب اُردو شاعری پر ایک نظر میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"ہم اگر شاعری سے الگ ہو جائیں تو ہماری زندگی جانوروں سے زیادہ قیمتی ہوگی"۔(1)

فرد کا ذہین معاشرے کے اثرات کو قبول کرنا ہے۔ انسانی ذہنوں کو تربیت جدید شاعری کی بنیادی فکر بھی ہے۔ آج کے شاعری کے اس بات کا ادراک ہو چکا ہے کہ معاشرے کی اصطلاح میں انھوں نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ جس طرح انسان کو زندہ رہنے کیلئے اور اپنی سرگرمیوں کو سرانجام دینے کیلئے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح روح کو غذا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ روحانی غذا اجزیاتی تسکین ہے۔ یہ روحانی شاعری سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا شاعری میں روحانی غذا موجود ہے۔ شاعر اپنے قلم سے قاری کے لیے غذا فراہم کرتا ہے۔ اگرچہ غزل اور شاعری کی اہم صنف ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند رتبہ حاصل ہے- غزل کے ساتھ ساتھ نظم مروج ہے۔ شاعری کی سب سے وسیع قسم اُردو نظم اردو نظم ہے۔ اردو نظم نظر میں م بہت سارے تجربے کیے گئے ہیں۔ جو اس کی وسعت کی دلیل ہے۔ نظم نے اپنے سفر کے دوران مختلف شعراء کے ہاں قیام کیا۔ اقبال کی نظم کا مطلب فکری وحدت وہے۔ حفیظ جالندھری کے ہاں گہنوں سے مل کر اس کے روپ میں اضافہ ہو گیا۔

امیر مینائی کے ہاں پہنچی تو انھوں نے نعت گوئی میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے اور اپنی منفرد شناخت قائم کی۔ انھوں نے لوگوں کے دلوں میں محبت رسول کا جذبہ پیدا کیا۔ مجید امجد کے ہاں نئی نئی ہیتوں سے آشنائی ہوئی۔ ن۔ م۔ راشد کے ہاں قیام کے دوران بغاوت کا ہنر سیکھا۔ فیض سے انقلاب پایا۔ اور ظفر اقبال کے پاس جا کر آزاد نظم ہو گئی۔ عظیم شعراء اکرام سے فیض یاب ہونے کے بعد نظم کی لہریں کلاسکیت سے پھوٹی ہیں۔

جدیدیت نے اسے پروان چڑھایا۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں۔

"در حقیقت جدید شاعری وہ ہے جو کسی انقلابی انداز سے بدلتے ہوئے ماحول کی صحیح ترجمانی خود اپنے آپ کو بدل دے۔ اس کیلئے روایت سے تھوڑی بغاوت ضروری ہے۔ تجربے کے ہاتھ اس میں شامل ہو جانا ضروری ہے۔(2)"

نظم کا سفر آج بھی جاری ہے۔ شاعری کا جادو نظم سے شروع ہو کر اس کے زیر اثر آج بھی بہت سے شاعر اپنے قلم کا جادو جگا رہے ہیں۔ قاری کو نظم کے سحر میں قید کر دیتے ہیں۔ فکر ایک مؤثر عمل ہے۔ کسی بھی فن پارے کو پرکھنے اور سمجھنے کے دو بنیادی طریقے ہیں۔ ایک فکر اور دوسرا فن۔ فکر سوچ یا تخیل ہے کسی بھی ادیب مصنف یا شہر کا سب سے پہلے تخیل گہرا دیکھا جاتا ہے۔ فکر اپنے دور اور صنف کی شخصیت کی عکاس ہوتی ہے۔ جب تک اس میں سماجی سیاسی شعور کے ساتھ فن کی گرہ نہ لگائی تو وہ ادھورا ہے۔ **بقول سید عابد علی عابد**

"اردو محاورے میں فکر تشویش اور غور کو کہتے ہیں۔ لیکن نفسیات کی اصطلاح میں یہ وہ ذہنی عمل ہے۔ جس کے کام کو لے کر مقامات کو ترتیب دیتے ہیں۔ نتائج کا انجام اخذ کرتے ہیں۔(3)"

جدید دور کے شعرا میں معظمہ نقوی کی کتاب "آخری بارش" علم و ادب کے خزانے میں ایک وسیع ذخیرہ ہے۔ فن اور فنکار زندگی میں ارتقائی مراحل طے کرتا رہتا ہے۔ زندگی کے تجربات سے اپنے فن کو نکھارتا ہے۔ یہ کتاب بھی معظمہ نقوی کا ایسا فن پارہ ہے۔ جس میں زندگی حقیقی انداز میں چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ موجودہ دور کے سیاسی اور سماجی موضوعات نمایاں طور پر عیاں ہیں۔ 123 صفحات پر مشتمل کتاب میں 69 نظمیں ہیں۔

معظمہ نقوی نے اپنی کتاب "آخری بارش" میں بہت سے موضوع بیان کیے ہیں۔ اور انھوں نے مختلف موضوعات کو ہمارے سامنے بیان کیا ہے۔ معظمہ نقوی نے شاعری میں اور بہت سے موضوعات پر قلم اُٹھایا۔ انھوں نے اپنی کتاب "آخری بارش" میں مختلف قسم کے موضوعات پر قلم اٹھائی ہے۔ ان میں ایک موضوع وطن سے محبت کرنا ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں میں وطن سے والہانہ محبت کا اظہار کیا۔ شاعر کہتا ہے اس وطن اس ملک کیلئے کئی لوگوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ وطن سے محبت انسان کے ایمان کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لکھنے والے نے اپنے وطن کی عظمت کے گیت لکھ کر دھرتی سے اظہار محبت کیا۔ معظمہ نقوی کو اپنے وطن سے محبت ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہمیں اپنے وطن کی کامیابی کے لیے ہر وقت کوشاں رہنا چاہیے۔ ہمارا فرض ہے کہ مشکل وقت میں اپنے وطن کی حفاظت کریں۔ ایک محب وطن کو ہونا بھی ایسا چاہیے۔ کہ وہ اپنے وطن کے لیے اپنی جان قربان کر دے۔ اور اس کی خوشحالی اور ترقی کے لیے کوشاں رہے۔

بقول سید گیلانی

"جمہوریت میں ایسی اسلامی ریاست ہو۔ جس میں احترام انسانیت ہو، امن و آتشی ہو، محبت ہو، علم و آگہی ہو، تہذیب رچاؤ اور ایسا مثالی معاشرہ ہو جس میں مساوات ہو طبقاتی نظام ہو نہ بلا امتیاز انسانی ترقی ہو۔ (4)"

ان کے نزدیک ایک محب وطن ایسا ہو کہ ہر فرد اپنے وطن سے محبت کرے اور اس کی ترقی کے لیے اپنی جان کی بھی پروہ نہ کرے اس بات سے ہر فرد واقف ہے کہ اس وطن کی خوشحالی کے لیے کئی لوگوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ اور تب جا کر ملک خوشحال ہوا ہے۔ ان کے نزدیک وطن کی محبت اور اس کی خوشحال اور امن کی خواہش ہر فرد اور ہر مسلم کے اندر ہمیشہ قائم رہنی چاہیے۔

ان کے نزدیک ایک محب وطن ایسا ہو کہ ہر فرد اپنے وطن سے محبت کرے اور اس کی ترقی خوشحالی کیلیئے اپنی جان کی بھی پردہ نہ کرے اس بات سے ہر فرد واقف ہے کہ اس وطن کی خوشحالی کیلیئے کئی لوگوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ اور تب جا کر ملک خوشحال ہوا ہے۔ ان کے نزدیک وطن کی محبت اور اس کی خوشحالی اور امن کی خواہش ہر فرد قائم رہنی اور ہر مسلم کے اندر ہمیشہ قائم رہنی چاہیے۔

معظمہ نقوی نے وطن کی عظمت اور محبت کا قصیدہ یوں لکھا ہے۔

اے میرے وطن

اے پاک وطن

تعبیر ہے سچے خواب کی تو

علامہ کی تحریر ہے تو

اور قید کی تصویر ہے تو (5)

ان کا ایک موضوع محبوب کے حوالے سے تنہائی کا شکار ہے۔ان کی نظم **"ڈھلتی شام"** کے اشعار ہیں۔

آج اس ڈھلتی شام میں نقوی

آنکھ میں ایک اداسی جاگی

کالی رنگت پہن کر چہرے پر

روشنی مجھ سے دور بھاگی ہے

ایک ایک کر کے بجھ گئے ارماں

مضطرب ہو کے دل کے حجرے میں

ہو کے کتنی اداس بیٹھی ہوں(6)

جدید دور میں انسان تنہائی کا شکار ہے وہ محبوب کی بے رخی کی وجہ سے تنہا ہو سکتا ہے۔تنہائی انسان کے اندر جب پیدا ہوتی ہے۔پھر وہ اکیلا رہنا پسند کرتا ہے۔اور دوسروں سے اپنا دکھ بیان نہیں کرتا۔اس کے دل میں اذیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔شعر جب شاعری کرتا ہے تو جذبے کے تحت کرتا ہے۔اس میں شاعر جو محسوس کرتا ہے۔وہ بیان کرتا ہے۔شعر کے محسوسات معاشرے کے افراد کے محسوسات کو بھی۔ہر کوئی کسی نہ کسی تنہائی کا شکار ہوتا ہے۔اس لیے جب معاشرے میں موجود لوگوں کے احساسات کو جانتا ہے۔تو ان سے ان لوگوں کے اندر داخلی خلا یا تنہائی نظر آتی ہے۔اس سے متاثر ہو کے شاعر خود شاعری میں اس عنصر کو بیان کرتا ہے۔تنہائی کے موضوع ہر شاعر کے ہاں ملتا ہے۔معظمہ نقوی نے بھی اپنی شاعری میں تنہائی کو موضوع بنایا ہے۔

بقول احمد ندیم قاسمی

"ہر اچھا فنکار تنہا ہوتا ہے۔وہ اپنے گردوپیش کی صورت پر قناعت نہیں کر سکتا۔اس لیے تنہا ہے۔وہ اس بد صورت دنیا میں خوبصورتی کا تلاشی ہے۔(7)"

معظمہ نقوی نے نظموں کے فکری پہلو میں طنزیہ انداز کو بیان کیا۔زندگی اور اس کے مسائل پر گہرا طنز ملتا ہے۔معاشرے میں رہنے والے لوگوں کے رویہ پر طنز کرتے ہیں۔سید عابد علی عابد طنز پر وضاحت کرتے ہیں۔

"کوئی ایسا فن پارہ جسے انسانی کمزوریوں اور بے ہوا گیوں کو کھایا جائے یا فاری کی مذمت کی جائے اور ایسے معاشرے میں ایانت کی جائے جس میں برائیاں اور راہ کاریاں راہ پا گئی ہیں۔(8)"

کوئی بھی شاعر جب معاشرے میں برائی دیکھتا ہے تو اس کو نظر انداز نہیں کرتا جو دیکھتا ہے وہی اپنی قلم کے ذریعے سچائی کے ساتھ بیان کرتا ہے اس طرح معظمہ نقوی نے بھی اپنے معاشرے میں ہونے والی برائیوں کو بیان کیا ہے۔ ہر شاعر اپنی شاعری میں طنز کو بیان کرتا ہے۔ اسی طرح معظمہ نقوی نے اپنی شاعری میں طنز کو موضوع بنایا۔ اور ایک خاص انداز و فکر کے ساتھ شعری میں بیان کیا ہے۔ ان کی نظم "سوالی" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

میں نے جان وار دی تجھ پر جاناں

اور تیرے نام کا چرچا کر کے

کوچے کوچے میں ہو گئی بدنام

ہو گئی غرق تیرے عشق میں، میں

ہر تمنا میری ہوئی ناکام(9)

معظمہ نقوی موجودہ حالات کے حوالے سے مایوس نہیں ہیں انہوں نے امید کے موضوع کو اپنی شاعری میں قلم بند کیا امید کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا زندگی کے بارے میں امید کے لہجے کو رجائیت کہتے ہیں ڈاکٹر ظہر رحمتی رجائیت پسندی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"دل کی تمناؤں اور خواہشوں کے لیے جدوجہد کرنا اور مستقبل پر بھروسہ کرنا اس کے لیے پر امید ہونا کائنات کو حسین اور خوبصورت سمجھنا اور احساس خوشی کے ساتھ زندگی گزارنے پر امید خیالی اور بد حوصلگی کے جذبے کو رجائیت / امید کہتے ہیں۔(10)"

اس انسان کو امید پر قائم رہنا چاہیے۔ انسان کو کوئی بھی مشکل آتی ہے انسان کو نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ امید کی کرن پر یقین رکھنا چاہیے۔ 'معظمہ نقوی' نے اپنی نظم " **I want him** " میں امید کو برقرار رکھا ہے۔

مجھ کو یہ معلوم ہے ساجن

تو آکاش کا ماہ کامل

میں ایک مدھم مدھم تارا

ٹوٹ کے اترا جو دھرتی پر

پھر بھی تیرے پاس آنے کی ایک امید ہے میرے دل میں!(11)

انہوں نے اپنی شاعری میں انسانی سوچ اور خواہشات کو موضوع بنایا۔ انسانی سوچیں اور خواہشات کا حصول فرد کے ہاں ملتا ہے۔ انسانی سوچیں اور بے جا خواہش فرد کا پیچھا کرتی ہیں۔ اور غیر ضروری خواہشات کے حصول کیلئے سوچیں انسان کا پیچھا کرتی ہیں۔ انسان کو اندر سے بے چین کیے رکھتی ہیں۔ ان کی نظموں میں انسانی سوچ اور خواہشات کا موضوع نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں جو خواہشات ملتی ہیں۔ جو انسان کو داخلی طور پر بے چین کیے رکھتی ہیں۔ معظمہ نقوی نے اپنی شاعری میں انسانی خواہشات کو بھی موضوع بنایا۔ ان کی نظم "الہڑ آرزو" کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

کاش اپنا ہوا کرے کوئی

حوصلہ جو دیا کرے مجھ کو

کہر کے سخت موسم میں

مجھ کو تسکین دیا کرے کوئی

میں جیا کرتی ہوں کسی کے لیے

میری خاطر جیا کرے کوئی(12)

معظمہ نقوی نے اپنی شاعری میں ماضی پرستی کو موضوع بنایا۔ ماضی کی یادیں، ماضی کے دن، ماضی کے حالات و واقعات شاعری میں تقریباً ہر شاعر ہی استعمال کرتا ہے۔ ماضی کی یادیں انسان کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔ جہاں عام فرد ماضی سے لگاؤ رکھتا ہے۔ اسی طرح شاعر کو بھی ماضی یاد رہتا ہے۔ ان یادوں کو اپنی شاعری کا حصہ بنالیتے ہیں۔ معظمہ بتول کی شاعری میں بھی ماضی کی یادیں ہیں۔ انہوں نے اپنی نظموں میں ماضی کی یادوں کو بیان کیا۔ اور اسی طرح معظمہ نقوی نے اپنے ماضی کو شاعری میں بیان کیا ہے معظمہ نقوی کی نظم "یاد ہے" کے اشعار دیکھیے:

پچھلے برس جون کا مہینہ تھا

موسم اپنے جوبن پر تھا

یاد ہے۔۔۔۔۔۔۔

وہ رات بھی کیا خوب تھی

من میں ہمارے آگ لگی تھی

اکھیوں میں خماری جگی تھی

ارمانوں میں چنگاری اٹھی تھی

قریب اس دن ہم بہت ہو گئے تھے(13)

یادیں انسان کے ساتھ جڑی ہوتی ہیں۔ انسان کے ماضی کا حصہ ہیں۔ جس میں وہ گزرتا ہے۔ اور ان یادوں کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے۔ ماضی کی ایسی چیز ہے جو دل کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔ حال میں بھی ماضی کا عکس یادوں کی صورت میں نظر آتا ہے۔ ماضی ایک ایسی چیز ہے جو محبت کرنے والے کے دل پہ نقش ہو جاتی ہے۔ اس کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ معظمہ نقوی اپنی نظم میں لکھتی ہے۔

چھپا کے ہم کو

سینے سے اپنے لگا کے ہم کو

پیشانی پہ کبھی

آنکھوں پر کبھی

ہاتھوں پر کبھی

میرے۔۔۔۔۔

اپنے نرم لبوں کا بار بار لمس دیا تھا

رات وہ کچھ ایسے گزاری تھی ہم نے (14)

شاعر جب شاعری کرتا ہے تو اپنے زمانے کے معاشرتی اور سماجی مسائل کو نظر انداز نہیں کرتا۔ ایک شاعر کا فرض ہوتا ہے کہ موجودہ مسائل کو شاعری میں حقیقت پسندی کے ساتھ بیان کرے۔ قاری پر اس کی حقیقت واضح کرے اپنے عہد کے اُتار چڑھاؤ اور بدلتے حالات کو بے نقاب کرنا شاعر کا کام ہے۔ معظمہ تقوی نے اپنی نظموں میں سماج کے مسائل کو بیان کیا ہے۔ معاشرہ انسان کو نہیں چھوڑتا کتنا ہی اچھا بن جائے۔ دراصل انسان میں دوسروں کے دکھ درد محسوس کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو وہ انسان نہیں رہتا۔ صرف حیوان کہلانے کے لائق ہے۔ جس سے سماج کی بھلائی کی توقع نہیں رہی۔ ہے۔ ڈاکٹر حسن دوسو لکھتے ہیں:

"ایک نئے معیار اور ایک نئے دور کا آغاز اصولوں اور کائنات کے جواب ضابطوں کے لیے نہیں بلکہ کائنات خود انسان کے لیے ہے وہ شہنشاہ ہے جو اصولوں کو روندتا ضابطوں کو ٹھکراتا اور فارمولوں کو اچھالفانئ ترتیب اور نئے شعور کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔(15) "

شاعری دراصل پوری زندگی سماج کا احاطہ کرتی ہے۔ انسان سماج میں رکھتے رہتے ہیں۔ لیکن جدید دور کے لوگ اس طرح کے ہیں کہ اگر ان کی ضروریات ہو تو وہ دستیاب نہیں ہوتے۔

کوئی فرد معاشرے کیلئے اچھا کام کرے یعنی کوئی اچھا کام کرتا ہے لوگ پھر بھی ان کو پسند نہیں کرتے۔ سماج ان لوگوں میں کوئی نہ کوئی نقص نکال لیتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کے لیے دنیا ہی سب کچھ ہے۔ آخرت کو بھول بیٹھا ہے۔ ان کی نظم "وائے" میں معاشرتی انسانی بے مروتی دکھائی گئی ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہیں:

ہر جگہ پر انہیں غریبی کے کھل کے طعنے سنائے جاتے ہیں

حق کا دیتے ہیں درس وہ جب بھی

ان کو جھٹلایا جاتا ہے نقوی

ہے ادب کا بہت بلند مقام

دکھ تو یہ ہے کہ سب ادیبوں پر

ظلم کے تیر پھینکے جاتے ہیں

تب تو مشہور ہونے سے پہلے

ہو کے گمنام یہ مر جاتے ہیں(16)

کسی بھی شاعر کی شاعری کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنے اشعار میں کتنی حقیقت کو بیان ہے۔ کیونکہ اس سے قاری کو شاعر کی قوت مشاہدہ تجزیہ کی صلاحیت اور متعلقہ حالات وواقعات کو اشعار میں بیان کرنے کے فن کا پتا چلتا ہے۔

معظمہ نقوی زبردست قوت مشاہدہ کی مالک ہیں انہوں نے اپنی شاعری میں کئی مقامات پر زبردست انداز میں حقائق کو بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپس میں چاہیے جتنی محبت ہو دوریاں آپس میں ایک دوسرے کو اجنبی بنا دیتی ہیں۔ ان کی نظم "اجنبی" کے اشعار ملاحظہ ہیں :

شہر فرقت میں اب بھی

چاہت عشق زیادہ ہے

سچا اپنا ہر ارادہ ہے

لیکن وقت نے اس چاہ میں

ایک حد فاصل کھینچ دی ہے

جس نے ہمیں کر دیا ہے جدا

یہی وجہ ہے جو ہر پردیسی ٹھہرے تم

اور اجنبی ٹھہرے ہم !(17)

انہوں نے اپنی شعری میں اداسی کو بھی موضوع بنایا۔ اداسی دکھی کر دینے والی کیفیت کا نام ہے۔ زندگی بیک وقت دکھی اور سکھ کا عجیب وغریب امتزاج رکھتی ہے۔ انسانی دل پر ہزارہا کیفیتیں اثر انداز ہوتی ہیں۔

بقول مستنصر حسین تارڑ

"اداسی اور مایوسی کو اپنے بدن کے اندر تحلیل نہ ہونے دیں ورنہ آپ کو چاٹ کھائے گی۔(18)"

اداسی کے لمحات اتنے مضبوط ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی بھی چیز اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ناخوشی کے رنگ نہ ہمدردی کے جملے نہ ہمت کے بول یعنی پوری کائنات اداس لگتی ہے۔معظمہ نے بھی اپنی شعری میں اداسی اور مایوسی کے لمحات کو بیان کیا ہے ان کی نظم "ہم تم" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

ہر طرف اداسی چھانے سے چہرے پر بھی اداسی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔اے محبوب وفا کے وعدے یاد کرو اور بتاؤ کہ سچا عاشق کون ہے۔

بن تیرے اب تو ساتھی

ہر سو چھائی اداسی دیکھوں

چہرہ بھی اپنا باسی دیکھوں

وعدے وفا کے یاد کرو تم

بچھڑ کے اپنے چاند سے نقوی

تم ہی بتاؤ ہم کو اب تو

کون ہے اپنا کون ہے تمہارا؟(19)

معظمہ صاحبہ نے اپنی شعری میں بے رخی کو بھی موضوع بنایا۔معاشرے میں پھیلے تعصبات، ناہمواریوں اور جو آسیب چھایا ہوا ہے۔اس کو دور کرنا چاہیے معاشرے کو حرکت میں لانا چاہیے۔ان کی نظم "جشن بہاراں" کے اشعار ملاحظہ ہیں :

اب تو پھول بن کر

وہ مہکا ہوگا

نہیں معلوم وہ

کس کا ہوگا

ہاں مگر وہ جسکا ہو گا ہے

جس کی وہ بہار ہے

جس کا وہ قرار ہے

اسے تو انتظار ہے!(20)

یاد تنہائی ایک ایسا موضوع ہے جس کے ذکر کے بغیر اردو شاعری کا حصہ مکمل طور پر سامنے نہیں آتا۔ یادیں عمر کا حاصل ہوتی ہیں۔ اور تنہائیوں کی محفلوں کو سجانے کے لیے کارآمد ہوتی ہیں۔ یاد اور تنہائی کا تعلق بھی عجیب ہے۔ تنہائی یادوں کا سبب بنتی ہے۔ اور یاد انسان کو اور زیادہ تنہا کر دیتی ہے۔ تنہائی میں یادوں کا ایک ایسا عذاب ہوتا ہے کہ اس کا بیان مشکل ہے۔ الفاظ بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ اور انسان اپنے ساتھ اکیلا ہوتا ہے معظمہ نے اپنی نظموں میں یاد تنہائی کو بہت سی جگہ پر بیان کیا۔ شعر ملاحظہ ہیں:

اشکوں کا ایک دریا نکلا

یادوں کا کہرام نہ پوچھو(21)

ایک تنہا لڑکی پلنگ پر لیٹی ہوئی ہے

گھڑیال کے کانٹوں کی آواز سن رہی ہے(22)

ہر شاعر کو فطرت سے گہرا لگا ہوتا ہے فطرت کے قریب شاعری انسانی دماغ پر گہرا تاثر چھوڑتی ہے فطرت کے حسین مندر کو سمجھ کر انسان ہواؤں میں اڑنا سیکھ جاتا ہے دریا کا سینہ چاک کرتا ہے فطرت ہر انسان کو اپنی مرضی سے جینے کا درس دیتی ہے معظمہ نقوی کو بھی فطرت سے بے پناہ محبت تھی۔ اور فطرت سے لگاؤ اس کی نظموں میں دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے فطرت کے موضوع کو اپنی شاعری میں اہم موضوع بنایا۔ اس کی بہت سی نظمیں فطرت پر مبنی ہیں۔ اس کی نظم "**سندیسہ**" کہ اشعار ملاحظہ ہیں

ساحل کرب پر ہم کو رکنا پڑا

تیز موجوں کا ہر وار سہنا پڑا(23)

ہر کھیت خوشبوؤں سے معطر تھا رات دن

جاڑے کی شوخیوں کے مناظر نہ پوچھیے(24)

نئے زمانے میں فرد کی جذباتیت انتقامی روش ایک عجیب سے خلفشار میں مبتلا ہے معظمہ نقوی کی نظموں میں بھی فرد کی ذہنی کشمکش اور اس کے نتائج کو پہلی بار منظر عام پر لانے کا موقع ملا۔ انسانی زندگی الجھنوں کا مجموعہ ہے الجھن انسان کے تجسس کی کہانی ہے۔

اس کی نظم "بے خبر" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

تجھ سے میں دور ہوں مجھ سے تو دور ہے

آرزو ہے کہ فرقت کی اس راہ میں

میں تیرے ساتھ مل کر کاٹو یہ سفر(25)

ہر تمنا کہیں ہو نہ جائے لہو

سوچتی ہوں وہ کہیں ملے گا مجھے

ہو گیا ہے جو نقوی راہ عشق میں

مجھ سے بھی بے خبر خود سے بھی بے خبر(26)

معظمہ نقوی انسانی نفسیات کی بہت بڑی مصور ہیں۔ وہ فرد کے باطن میں جھانکتی ہیں۔ اور ان کی نفسیاتی کیفیات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ معظمہ کی نظم اور شعری میں نفسیات کا گہرا عمل دخل ہے۔ کہیں ماضی کی یادوں میں قید ہیں۔ ماضی کی یادیں ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور کہیں معاشرے میں پھیلے ہوئے

اندھیرے کو دیکھ کر نہ امید تو دوسری طرف امید کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔ معظمہ کے ہاں خارجی موضوعات کے ساتھ داخلیت بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے نظم کو نئے موضوعات اور رنگ کے ساتھ پیش کیا۔ بقول ریاض احمد:

"فن کار خارجی دنیا سے جب اپنی شخصیت کو کسی طور ہم آہنگ نہیں کرپاتا تو اپنی داخلی دنیا کی وادیوں میں چلا جاتا ہے۔ یہاں نشاط و مسرت ایک متسبت حقیقت کے طور پر اس کے سامنے نہیں آتے لیکن اسے ایک گونہ سکون ضرور مل جاتا ہے۔(27) "

چند اشعار ملاحظہ ہیں :

اس پہلی ملاقات میں

مستیاں میرے آس پاس تھیں

آرزوئیں حاس تھیں

ماتھے پر جھریاں تھیں

کاش تم ان میں پیار کی نشانی سجا کے

فقط اتنا کہہ دیتے

جان مجھے کبھی مت بھلانا(28)

معظمہ نقوی کی نظموں میں محبت کا عنصر بھی نمایاں ہے۔ محبوب سے باتیں کرنے اور اس کی یادوں میں کھوئے رہنے کی خواہش ہے۔ محبت کے جذبات کو جابجا اپنی شاعری میں بیان کیا۔ معظمہ نقوی نے محبت اور روحانی جذبات واحساسات کی عکاسی کرتی ہیں۔

بقول احسن فاروقی

"فنکار جذبات کو ایک خاص قابو کے ساتھ پیش کرتا ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس فن پارے سے سامعین کے خدمات ابھرتے نہیں بلکہ ان کی تشکیل اور صفائی ہوتی ہے"۔(29)

معظمہ نقوی کی نظم میں بھی محبت کا عنصر بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ ایک خاص انداز سے بیان کرتی ہیں۔ ان کی بہت سی نظمیں جذبات محبت کا اظہار کرتی ہیں۔ ان کی نظر "محبت" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

اس سے بڑھ کے ستم یہ بھی

اپنے ہیں پرائے غم یہ بھی

جان ہو کے جدا رہنا

واہ محبت تیرا کیا کہنا(30)

کا عشق کا تصور معظمہ نقوی کی سوچ اور جذبات کے روایتی پہلو سے کچھ ہٹ کر ہے۔ عشق کی بات ہو تو خواہ حقیقی ہو یا عشق مجازی معظمہ کے خیال میں دونوں کی اہمیت یکساں ہے۔ دونوں کی اپنی اپنی لذتیں ہیں۔ دونوں ں کو کو اپنا اپنا اپنا اپنا مقام حاصل ہے۔ معظمہ کا کہنا ہے کہ اصل عشق انسان کا اپنی ذات سے ہے۔ اور دنیا کے سب انسان صرف اپنی ذات کے سکون کیلئے عشق کرتے ہیں۔ عشق کی صورت میں انسان اپنے وجود کو پھیلاتا ہے اور محبتوں کو تقسیم کرتا ہے۔ عشق حقیقی کی بات کرتے ہوئے معظمہ کے اندر فطرت سے بغاوت کا جذبہ بھی نظر آتا ہے۔ انہوں نے عشق کو نفسیاتی حقیقتوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بقول رشید خان

"انسانی زندگی میں عشقیہ جذبات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے خدا یا محبوب دونوں عشق کا مرکز بنتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے صوفی اور عاشق گویا ایک ہی زبان میں باتیں کرتے ہیں"۔(31)

اپنی نظموں میں عشق حقیقی کو بھی متعارف کروایا۔ اور عشق مجازی کو بھی۔ ان کے ہاں دونوں جذبات نظر آتے ہیں۔ عشق حقیقی کو اپنی نظم "حمد" کے اشعار میں بیان کیا ہے۔

اسم ہیں تیرے

سب جلیل و قدیر

العلی و عظیم

تیری ذات صراط مستقیم

تو ہے فقط الرحمن الرحیم۔۔۔(32)

معظمہ نقوی نے اپنی نظموں ہی میں عشق مجازی کو بھی بیان کیا۔ انہوں نے اپنی نظم میں اپنے شوہر اپنے مجازی خدا کے بارے میں چند اشعار لکھے۔ ان کی نظم "جنم دن" کے اشعار ملاحظہ ہیں :

اے میرے رفیق

اگر میرا مضبوط وجود جلوہ نما نہ ہوتا

تو قیامت نقوی کا

کوئی ہم پلہ نہ ہوتا(33)

معظمہ نقوی کے ہاں حسرت کا بیان بھی ملتا ہے۔ شاعر کہ ہاں ایک حسرت کہ وہ پوری ہو جائے جیسا کہ آج کل لوگوں کی حسرتیں اور تمنائیں زیادہ ہیں اور انسان چاہتا ہے کہ اس کی تمام خواہشات پوری ہو جائیں۔ اللہ تعالی سے امید لگائے رکھتا ہے۔ اور اپنی امیدوں کو پوری کرنے کی دعا کرتا ہے۔ انسان کی ایک حسرت پوری ہوتی ہے تو دوسری کی امید لگا لیتا ہے۔ معظمہ کی نظموں میں بھی حضرت کا موضوع ملتا ہے۔ اس کی نظم "اقرار" کے اشعار یہ ہیں۔

خواہشوں کے تپتے صحرا میں

تشنہ لب رہ گئی

ایسا نہ ہو کل

زیست اجل کے پہلو میں کروٹ بدل لے

اور حسرتیں سب آس بن جائیں

تب تم لوٹ آؤ(34)

موسم جس قدر حسین ہوتا ہے۔ انسان کو موسم پر کیا فرق پڑے گا انسان کے اندر کا موسم تو باہر کے موسم سے مختلف ہوتا ہے کہ موسم خزاں میں اسے ہجر کا لوگ یاد آتا ہے۔ اور جو غم اس کے اندر ہوتا ہے اور پھر وہ اداسی کی طرف لے جاتا ہے اور انسان اسی موسم کو محسوس نہیں کر پاتا۔ معظمہ کی نظمیں بھی اسی لحاظ سے ہیں۔ ان کی نظم "منتظر نگاہیں" کے اشعار یہ ہیں۔

زہر آلود بہاروں کے اس موسم میں

دل کا گلستان ویران ہے

مرجھائے ہوئے ہیں خواب سارے

بے رنگ جیون کی داستان ہے (35)

واقعہ نگاری اردو شاعری میں بہت مشکل فن ہے۔ معظمہ نقوی اس فن میں بہت مہر اور کامیاب نظر آتی ہیں۔ کو اس طرح بیان کرتی ہیں کہ قاری یوں محسوس ہوتا ہے کہ واقعہ اس کی انکھوں کے سامنے پیش آیا ہے۔ "معصوم شہداء کے نام" نظم کے اشعار یہ ہیں۔

دسمبر کی کہر آلود صبح

سرد

پر درد

نمودار ہوئی

بجانے کتنے تختے

کھلے نہ تھے

کلی کی صورت

مسلے گئے جو

ہائے ہائے

کرلاتی ہوئی ماں کی صدا

بجھتے دیپ کا دھواں

سسکتے ارمانوں کا جنازہ

تڑپ کے سینے پر کبھی

منہ پر ماتم کرتی ماں

اتنا کہی

لال میرا کہاں ہے؟

لال میرا کب آئے گا؟

ہے کوئی پورا کر پائے گا؟

ماں کا جو سوال

ماں ہوئی ہے نڈھال!(36)

معظمہ نے اپنی نظموں میں حسن و جمال کا ذکر لطف اور منفرد انداز میں کیا۔انہوں نے الگ انداز میں حسن و جمال کی تعریف کی ہے۔اور تعریف بھی ایسی کہ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خیالی.یکسر نے ہی نہیں بلکہ ان کے احسن و جمال کو محسوس بھی کیا جاتا ہے۔اور آنکھوں کے سامنے اس کی تصویر گردش نظر آتی ہے۔انہوں نے حسین چہرے کی خوبصورتی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے Tribute is Perveen Shakir نظم کے اشعار ملاحظہ ہے :

وہ اجلی صورت

حسین رخ ماہتاب

روشن آنکھیں

اپنے حسن میں یکتا

جب وہ بولتی ہے

یوں لگتا ہے

کوئی کوئل

پاؤں میں سات سروں کی

جھانجھر باندھے

گھنٹوں سے محو رقص ہو(37)

معظمہ کی نظموں میں اپنائیت کا احساس ملتا ہے۔ وہ اپنائیت کو اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں۔ جو قاری پر ایک الگ سرور پیدا کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں ایک یاد سنائی دیتی ہے۔ ان کی نظم "تنہائی" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

جھاڑے کہ اس موسم میں

بے قرار مچلتا رہتا ہے

اپنی سانسوں کی ہر تار میں

مجھے سنائی وہ دیتا ہے(38)

معظمہ نقوی نے ترکیب کا استعمال بھی کیا۔ ان کے ہاں تراکیب کا استعمال ہمیں کئی جگہ پڑھنے کو ملتا ہے۔ تراکیب کے معنی جوڑنا ملانا اصطلاح میں دو یا زائد الگ معنی کے الفاظ کو ملا کر پڑھنا ان میں ایک نئی وحدت کو پیدا کرنا تراکیب کہلاتا ہے۔ تراکیب لفظوں سے بنتی ہے۔ اور تراکیب سے فکرے وجود میں

آتے ہیں۔اس سے کلام نے دلکشی اور خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔ معظمہ نقوی کے ہاں تراکیب کا استعمال نہایت عمدہ طریقے سے ہوا ہے۔اشعار ملاحظہ ہیں۔

جام میں اب گل انگ گھول کر

اس نے مجھ سے کہا نرم آواز میں(39)

مجموعی طور پر اگر معظمہ نقوی کی شاعری کا یہ نظموں کا جائزہ لیا جائے تو انہوں نے سماجی موضوعات کو نمایاں طور پر عیاں کیا۔اس میں ماں کی عظمت وطن کی محبت دنیا کی بے ثباتی اور امید ہمارے معاشرے کا اہم مسئلہ ہے۔ معظمہ نقوی کو پتہ ہے کہ معاشرے کا حصہ بننے کے لیے کتنی کوشش کرنی پڑتی ہے۔انہوں نے اپنی نظموں میں حقیقت نگاری سے کام کیا۔ حقیقت نگاری سے کام لیتے ہوئے وہ اس معاشرے کی حقیقت سے جڑی ہوتی ہیں۔اور اس حقیقت کے ساتھ کہیں نہ کہیں تلخ ماضی اور اس سے وابستہ یادیں ان کی نظموں کا خاصہ رہی ہیں۔ان کی نظموں میں اداسی اور اداسی و کرب کی کیفیت میں بھی قاری کے دل کو غیر دلچسپ نہیں ہونے دیتی۔ معظمہ نقوی بہت سادہ اور دل میں اتر جانے والی شاعری کرتی ہیں۔

حوالہ جات

1. **کلیم الدین احمد۔ اردو شاعری پر ایک نظر**۔ بک ڈپلو ریلم پٹنہ، 1958ء، ص28۔
2. **ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ جدید شاعری**۔ اردو دنیا، کراچی، 1941ء، ص22۔
3. **سید عابد علی عابد۔ اصولِ انتقادِ ادبیات**۔ سنگِ میل پبلیکیشنز، لاہور، 1997ء، ص159۔
4. **سید احمد گیلانی۔ سکستِ آرزو کے موضوعات**، فیروز ناطق خسرو۔ نامہ سنگ ہے آپ، 20 مئی 2012ء۔
5. **معظمہ نقوی۔ آخری بارش**، ص29۔
6. **معظمہ نقوی۔ آخری بارش**، ص56۔
7. **احمد ندیم قاسمی**۔ (مضمون)، فیر کی منور شاعری، مشمولہ چھ رنگین دروازے، از **نیر نیازی**، ماراپیلی کیشنز، 1991ء، ص-23
8. **سید عابد علی**۔ البیان۔ زرین آرٹ پریس، لاہور، 1989ء، ص15۔
9. **معظمہ تقوی۔ آخری بارش**، ص61۔
10. **ڈاکٹر ظہر رحمتی**۔ غزل کی تنقیدی اصطلاحات۔ اے۔ پی آفیسٹ پریس، دہلی، 2005ء، ص257۔
11. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش، ص31۔
12. **ایضاً**، ص68۔
13. **ایضاً**، ص63۔
14. **ایضاً**، ص83۔
15. **ڈاکٹر حسن روسو**۔ اردو ادب، سہ ماہی **ادبی تدارد**، سن: تدارد، ص154۔
16. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش، ص74۔
17. **ایضاً**، ص75۔
18. **ایضاً**۔
19. **ایضاً**، ص64۔
20. **ایضاً**، ص72۔

21. **ایضاً**، ص**110**۔

22. **ایضاً**، ص**44**۔

23. **ایضاً**، ص**78**۔

24. **ایضاً**، ص**51**۔

25. **ایضاً**، ص**50**۔

26. **ریاض احمد**۔ تنقیدی مسائل۔ پولمیر، **پبلی کیشنز**، لاہور، **1991**ء، ص**16**۔

27. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش، ص**38**۔

28. **ایضاً**، ص**100**۔

29. **ایضاً**، ص**27**۔

30. **ایضاً**، ص**96**۔

31. **ایضاً**، ص**94**۔

32. **ایضاً**، ص**40**۔

33. **ایضاً**، ص**79**۔

34. **ایضاً**، ص**90**۔

35. **ایضاً**، ص**104**۔

36. **ایضاً**، ص**66**۔

37. **محمد احسن فاروقی**۔ غزل کی تنقیدی اصطلاحات۔

38. **اے پی آفیسٹ**، نئی دہلی، ص**217-216**۔

39. **رشید حسین خان**۔ دیوان دار، **مرتب**، ڈاکٹر تسلیم احمد (دیباچہ)، اشاعت **جولائی 1925/2023**، سلسلہ مطبوعات ص**1008**۔

باب چہارم

"آخری بارش" کا فنی جائزہ

فنی جائزہ

شاعری بنیادی طور پر شاعر کے ذہن کا تجزیہ ہوتی ہے جسے شاعر اپنے احساسات و جذبات کے اظہار کے لیے استعمال کرتا ہے۔ کسی بھی شاعر کا ماحول اس کی شخصیت اور خیالات کے اسلوب سے نمایاں ہوتا ہے ہر شعر کا مخصوص انداز و بیاں ہوتا ہے۔ فنی محاسن سے مراد وہ طریقہ کار ہوتا ہے جس سے فنکار اپنا کام دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے جس میں خیال اظہار کے ذریعے سے خوبیوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اور اپنے کام کو ہر ممکن حد تک بہتر جانا ہے۔ عبدالمجید خان نے انسائیکلوپیڈیا میں فن کی تعریف یوں کی۔

"ہر لفظ نہایت وسیع معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے مثلا باغبانی سنگ تراشی، مجسمہ سازی نقشہ کشی تصویروں کی رنگ سازی شاعری، موسیقی ڈرامہ یا تفصیل نگاری اور بہت سے دوسرے فن کے اندر شامل ہیں جس سے ہماری نگاہیں لطف اندوز ہوتی ہیں(1) "

کسی بھی فنکار کے فن کو جو چیز ترغیب دیتی ہے وہی شاعر کا ذوق و جمال اور تخلیق حسن کا بے پناہ جذبہ ہے۔ فن میں شعری تکنیک، ہیت اور شاعر کے اسلوب پر بحث کی جاتی ہے فن میں شعری تکنیک، ہیت اور شاعر کے اسلوب پر بحث کی جاتی ہے۔ شاعری کا مقصد صرف بکھرے ہوئے خیالات کو ایک جگہ اکٹھا کرنا ہوتا ہے تخلیق کا عمل ایک نہ ختم ہونے والا عمل ہے۔ فن میں احساسات و جذبات کا اظہار ملتا ہے۔ بقول ریاض احمد :

"فنکار خارجی دنیا سے اپنی شخصیت کو کسی کام سے ہم آہنگ نہیں کرپاتا تو اپنے داخلی دنیا کی وادیوں میں چلا جاتا ہے یہاں نشاط و مسرت ایک مثبت حیثیت کے طور پر اس کے سامنے آئے لیکن اسے ایک گونہ سکون ضرور مل جاتا ہے"۔(2)

اسلوب شہری کا عکس ہے جو الفاظ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے شاعر اپنی تحریر کو دلکش اور خوبصورت بنانے کے لیے مختلف فنی تکنیکوں کا استعمال کرتا ہے۔ جس سے شاعر کا باطن اور نفس کی دنیا کی پوری تصویر نمودار ہو جاتی ہے پروفیسر نصیر احمد خان اسلوب کی وضاحت کرتے ہیں۔

"اسلوب انگریزی لفظ اسٹائل کا مترادف ہے جس سے مراد ایسی طرز تحریر ہے جو ہر اعتبار سے منفرد ہے جو ادیب یا شاعر کی شخصیت کا مظہر ہو جو خارجی لسانی پہلو کے علاوہ فنکار کے انداز بیاں انداز فکر تخیل کی نمائندگی کرے۔(3) "

ان کے ہاں سادہ اسلوب ہی ان کی نظم کا خاصا رہا ہے اس میں کسی بھی قسم کی کوئی تضاد یا کوئی بناوٹ نہیں ملتی۔ ان کے ہاں انداز شگفتگی اور شوخی بھی ہے۔ جن سے ان کی نظم میں رنگ بکھرتا ہوا نظر آتا ہے ان کا لب و لہجہ منفرد ہونے کے ساتھ نظم میں لطف پیدا کرتا ہے جس سے شعر میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے ان کے ظاہری شکل و صورت شاعری کی ایک نئی دنیا آباد ہوئی ہے ان کی نظم Nostalgia کہ اشعار ملاحظہ کریں۔

میرے ہمدم! اب احساسِ دوری

میری زندگی کا لازمی جزو بن چکا

تجھ سے دور رہ کر

پریشانیوں میں گھری ہوئی ہوں(4)

تلمیح کے معنی کسی چیز کی طرف اشارہ کرنا کہ ہیں کلام میں کسی تاریخی واقعے قرآنی آیات یا شخصیت کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔ تلمیح حضرت آدم کی تخلیق کے ساتھ وجود میں آئی۔ اس میں کسی خیالات کا اظہار براہ راست نہیں بلکہ شاعر تلمیح کے ذریعے شعر میں ایسا مزاج پیدا کرتا ہے جس سے شعر میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے الفاظ کی ظاہری شکل و صورت کی مدد سے شاعری کی ایک دنیا آباد ہوئی ہے سب ذہن میں ایک مفہوم پیدا ہوتا ہے تو شاعر بھرپور الفاظ سے لطف اندوز ہوتا ہے بقول ڈاکٹر محمد علی خان :

"کلام میں کوئی ایسا لفظ مرکب استعمال کیا جو کسی تاریخی مذہبی اور فطری واقع کہانی کی طرف اشارہ کرے تلمیح کہلاتا ہے"۔(5)

معظمہ نقوی نے اپنی شعری میں تلمیح استعمال کیا۔ طویل واقعات کو کمال اختصار کے ساتھ ادا کرنے کے لیے ڈیزائن کیا ہے مختصر یہ کمال تو ہی نہیں بلکہ یہ اعجاز کا کرشمہ ہے اس کی نظم "اسلام عرض پاک" کے اشعار ملاحظہ ہیں :

ہے معجزہ لا الہ کا تو

ایمان کا ایک جا گیر ہے تو

تو نور ہمارے دیدوں کا

ہاں تجھ پہ نچھاور ہوتا ہے

ہر لمحہ خون شہیدوں کا(6)

انہوں نے اپنی شاعری میں رومانوی انداز کو بھی اپنایا۔ کس طرح انسان / شاعر اپنے رومانوی انداز کو تجسس کے ساتھ شاعری میں بیان کرتا ہے ایک انسان آئینے کی طرف خود کو بھی سامنے رکھتا ہے لیکن پھر لوگ اس کا یقین نہیں کرتے. انہوں نے عشقیہ داستان بیان کی ہے۔اس ضمن میں اشعار ملاحظہ ہوں :

قریب اس دن ہم بہت ہوئے تھے

پلکوں کی جھالر میں اپنی چھپا کر ہم کو

سینے سے اپنے لگا کر ہم کو(7)

معظمہ نقوی نے اپنی شاعری میں خود کلامی کا استعمال کیا اس کی شاعری میں ایسا تاثر ملتا ہے جس میں خود سے ہم کلام ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔اس حوالے سے اس کی ایک نظم دیکھیں۔

کے دوران خود کلامی مجھے یاد نہیں رہتا

کسی دوسرے کے سوال کا جواب دینا

خود سے گفتگو کرتے وقت

ایسے الفاظ بھی زبان پر آجاتے ہیں

جنھیں میں اپنی گفتگو کا حصہ نہیں بنانا چاہتی

اچھا "نقوی" یہ تو بتاؤ؟

آج خود سے گفتگو کرتے وقت

آنکھوں میں آنسو کیوں اتر آتے ہیں؟---(8)

اس میں عشقیہ داستان بیان کی گئی ہے اگر کسی سے محبت کرو تو ہمیشہ سچ بولو اور مخلص رہو جھوٹ نہ بولو۔ ایک انسان کے دل میں جب محبت پیدا ہوتی ہے تو وہ بغیر ہچکچاتے اپنی محبت کا اظہار کر دے۔ یہ بات سچ ہے کہ معاشرے کے عام فرد کی طرح ایک شاعر تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے اپنے گزارے حالات کو خود سے ہم کلام ہو کر دہراتا ہے معظمہ نقوی کے ہاں یہ پہلو نمایاں ہے۔

تکرار رہی کی تکریر سے ایسی صنف مراد لی جاتی ہے جس میں دو الفاظ ایک جیسے معنی رکھتے ہیں۔ ایک شعر یا بند میں یکساں طور پر جمع ہوتے ہیں اس حوالے سے ڈاکٹر مزمل حسین کہتے ہیں۔

"علم بدیع کی اصطلاح میں صنف تکرار اس صنف کو کہتے ہیں جس کے تحت مصرعہ میں کسی لفظ کے تاکید یا زور دینے کے انداز میں تکرار لایا جائے۔(9) "

دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی شعر کہ مصرعے میں کوئی لفظ بار بار دہرایا جائے۔ اس صنف کے استعمال کے لیے خاص مہارت کی ضرورت ہے۔ معظمہ نقوی نے اپنے کلام صنف تکرار کا احسن طریقہ استعمال کیا۔ اشعار ملاحظہ ہوں :

میں نے جاں وار دی تجھ پہ جاناں

اور تیرے نام کا چرچا کر کے

کوچے کوچے میں ہو گئی بدنام

ہر تمنا میری ہوئی ناکام(10)

معظمہ نقوی نے اپنے بہت سے کلام اور نظموں میں تکراری الفاظ استعمال کیا۔ انہوں نے کلام میں دلکشی اور خوبصورتی تکراری الفاظ کاٹ سے پیدا کی۔ ایک اور اشعار ملاحظہ ہے۔

کم کم کچھ احوال سنا کر مجھ کو حیران کر دیتا ہے

مجھ کو معلوم ہے ساجن

تو آکاش کا ماہ کامل

میں اک مدھم مدھم تارا

ٹوٹ کے اترا جو دھرتی پر۔۔۔۔(11)

استعارہ کا لفظی مطلب ادھار لینا یا عارضی طور پر مانگنے کے ہیں۔یعنی لفظ کو مجازی معنوں میں استعمال کر کے ان کے حقیقی معنی کا اس کے فرضی معنی سے تشبیہ کا تعلق قائم کرنا ہے۔تو اسے استفادہ کہتے ہیں۔استعارہ عربی زبان سے اسم مشتق ہے اردو میں اسم کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔بقول ڈاکٹر اشرف کمال :

"استعارہ شے کے لوازمات اور خصوصیات کو کسی شے سے منسوب کرنا استعارہ کہلاتا ہے"۔(12)

شاعر اپنے تجربہ کا اظہار کرتا ہے شاعر اسے شعر میں اور ظاہری آرائش و عمل کے لیے استعمال کرتا ہے شاعر کے لیے اہمیت رکھتا ہے کہ وہ اسے اپنے جذبات اور تخیل کا حصہ بنائے۔معظمہ نقوی نے اپنی نظموں میں اشعار کا استعمال کیا ہے اشعار ملاحظہ ہے۔

دن کی گہری سی دید کو چھوتے

ایک سرخی سی اتر آئی ہے

گویا نیلے گگن کی جھولی میں

نرمی آفتاب سمیٹی ہے

ہجر کی برف برف دھرتی پر

سرخ کرنوں کا رقص جاری ہے۔۔۔۔(13)

معظمہ نقوی کی شاعری میں جہاں استعارہ کا استعمال ہوا وہاں تشبیہہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ شاعری میں تشبیہات کا موثر انداز سے استعمال کیا گیا ہے ان کے کلام میں تشبیہہ کی مثالیں ملتی ہیں۔ تشبیہات کا استعمال شاعری کو زیادہ علی موثر اور قابل فہم بناتا ہے اردو ادب میں بہت سے تشبیہات میں جو ہر دور میں استعمال ہو رہی ہے اور نئی تصویریں نے تشکیل دی گئی ہیں۔ معظمہ نقوی نے استعارہ اور تشبیہہ دونوں صورتوں کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے تشبیہہ کے حوالے سے اشعار ملاحظہ ہیں۔

اس جیسا ہے کون سہارا

اس کو سارے ماں کہتے ہیں

رب کے جیسا روپ ہے وہ تو

سرما کی سی دھوپ ہے وہ تو(14)

ہم آواز الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں قافیہ لفظ قفو سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی "پیچھے آنے والے" کے ہیں۔ قافیہ کا دخل شاعری میں سب سے زیادہ ہے۔ اگر شاعری میں سے قافیہ نکال دیا جائے تو شاعری کے اندر کچھ بھی نہیں بچتا۔ قافیہ میں آواز کی یکسانیت ہم آہنگی ہے اس بنا پر نظم کی تکمیل میں یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے پروفیسر انور جمال قافیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"شعر میں ردیف سے پہلے جو الفاظ صوتی آہنگ پیدا کرتا ہے اسے قافیہ کہتے ہیں(15) "

اردو ادب میں قافیہ اسے کہتے ہیں جو شعروں کے لفظوں کے ساتھ غیر مسلسل طور پر آخر میں بار بار آتا ہے قافیہ شعر کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور ردیف قافیہ کے بعد کے ہیں۔ تمام مصرعوں میں یکساں ہوتا ہے۔ قافیہ کا استعمال لازم و ملزم کہا جاتا ہے۔ معظمہ نقوی نے بھی اپنی نظموں میں قافیہ استعمال کیا ہے۔

ان کی نظم "تحفہ" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

بے قیمت ہے چاہت لوگو !

سب کے لیے جو راحت لوگو!

جنت جس کے پاؤں تلے ہے

ٹھنڈک جس کی چھاؤں سے ہے(16)

اس شعر کے چاروں مصرے میں قافیہ استعمال کیا گیا ہے معظمہ نقوی اپنے نظموں میں قافیہ کا استعمال بہت جگہ پر کیا ہے جس کی وجہ سے ان کی نظموں میں خوبصورتی بڑھ جاتی ہے ان کی ایک اور نظم جسم میں قافیہ کا استعمال جابجا کیا ہے "I want him" کہ اشعار ملاحظہ ہیں۔

تیری گرد آلود انکھوں کو بھیگی پلکوں سے دیکھا ہے

کرتا ہے تو جب جب بھی باتیں ہر ایک بات چھپا لیتا ہے

لہجہ مدھم کر لیتا ہے۔۔۔(17)

معظمہ نقوی نے اپنی شاعری میں حقیقت کو بھی بیان کیا۔انہوں نے اپنی شاعری میں معاشرے کی تلخ حقائق کو بیان کیا ہے۔اور معاشرے کی بہترین عکاسی کی۔ حقیقت نگاری میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا۔انہوں نے اپنی نظم "رفتگاں" میں حقیقت نگاری کو بیان کیا۔

سارے انسان گزر جاتے ہیں

گویا مہمان گزر جاتے ہیں

عہد حاضر کو چھوڑنے نقوی

ہستیاں وہ جو کوچ کر جائیں

وہ کبھی لوٹ کر نہیں آتیں(18)

معظمہ نقوی اپنی اسی نظم میں دنیا سے کوچ کر جانے والے لوگوں کا ذکر کیا اور حقیقت نگاری میں بیان کیا دنیا کے سب سے بڑی حقیقت ہی یہ ہے کہ دنیا فانی سے ہر کسی نے یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔ جو لوگ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں وہ کبھی لوٹ کر نہیں آتے یہ دنیا کی بے ثباتی ہے۔

شاعر کا کام ہوتا ہے کہ زندگی کی ٹھوس حقائق حالات و واقعات کو پسندی کے تحت بیان کرتا ہے اور حقیقت کو قبول کرتا ہے زندگی کے حقائق کو اپنی شاعری میں بیان کرتا ہے قاری پر حقیقت عیاں ہو جائے اور اس کی حقیقت عیاں ہو جائے اور اس کی حقیقت کو کم کرلے۔ ابو الا حفیظ صدیقی حقیقت پسند شاعر کے بارے میں رقم دراز ہیں۔

"حقیقت پسند ادیب تخیل پر امر واقعہ کو ترجیح دیتا ہے وہ زندگی کو رنگین تشبیہوں میں دیکھنے کی بجائے اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے جو اس کو جوں کا توں بیاں کر دے۔(19)"

معظمہ نقوی اپنی شاعری میں موسیقیت کو بھی موضوع بنایا۔ انہوں نے اپنے نظموں میں موسیقیت کا استعمال کیا ہے موسیقیت سے کلام میں خوبصورتی اور حسن پیدا ہوتا ہے موسیقیت میں شعراء اشعار اس طرح کہتے ہیں جو ترنم کے ساتھ بیاں کیے جاتے ہیں ان کی نظم "محبت کبھی مرتی نہیں" کہ اشعار ملاحظہ ہیں۔

مہکتی ہے پر خوشبوں کی طرح

بکھرتی ہے یہ پھولوں کی طرح

ٹپکتی ہے یہ اوس کے قطروں کی طرح

کبھی گرج کے برستی ہے ساون کی طرح

دوڑتی ہے رگوں میں لہو کی طرح

دلوں پر سے کبھی اترتی نہیں

محبت کبھی مرتی نہیں۔۔۔۔۔(20)

انہوں نے اپنے کلام میں موسیقیت کو خاص اہمیت دی ان کے ہاں ہر موضوع ذاتی نہیں بلکہ بطور پہلو اسے شاعری میں بیان کیا ہے شاعری میں جس طرح پیکر تراشی یا مصوری فروری ہے اسی طرح موسیقی اور ترنم بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر شعر میں دلکشی پیدا نہیں ہوتی۔

معظمہ نقوی نے اپنی نظموں میں تصوف کو بیان کیا ہے تصوف سے مراد اپنی تمام تر خواہشات کو رد کر کے عشق حقیقی کو پانے کے جستجو اور کوشش کرنا ہے۔ تصوف کا پہلو ہر دور کے شعراء میں ملتا ہے۔ جدید دور میں بھی تصوف کا پہلو نمایاں ہے اور انہوں نے تصوف کے پہلو کو شاعری میں سمو دیا۔

بقول ڈاکٹر عبد القادر جیلانی:-

"تصوف قلب انسانی کی ایک حقیقت کا نام ہے وہ سر تاپا ذوق و وجدان ہے۔ اس لیے اس کی کوئی منطقی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس کی حقیقت بیان کرتے ہیں ہماری بہتر عبارت اور فصیح ترین کی بات الفاظ تشبیہ تکمیل رہ جاتی ہے۔(21) "

ان کی نظموں میں تصوف کا پہلو خاص اہمیت کا حامل ہے ان کے ہاں ہر موضوع ان کا ذاتی نہیں۔ شاعری میں تصوف کا پہلو شعرا ان کے ہاں اس وجہ سے بھی ملتا ہے کیونکہ ان کا لگاؤ خود لگاؤ خوبصورتی اور خدا کی ذات کی طرح اور کائنات کے مظاہرہ کی تلاش میں ہوتا ہے اس شعراء کی شاعری میں تصوف کا پہلو ملتا ہے۔ عشق کا اظہار تصوف میں خدا کی ذات پر نمایاں ہیں۔ خدا اور اس کی ذات کی محبت اور عقیدت کے لیے خود کو اس کی راہ میں گم کر لیتا ہے۔ اور اس میں خدا کی ذات کی محبت کو پانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس حوالے سے اس کی نظم "حمد" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

اے مالک ارض سماء

اے مالک کن مکاں

حمد میں تیری بھلا کب

کر سکتی ہوں بیان

نہیں تیرا کوئی مکاں

تو ہے وارث کل جہاں

اسم میں تیرے

سب جلیل و قدیر

تیری ذات صراط مستقیم

تو ہے فقط الرحمن والرحیم

تو ذوالجلال ہے

جہاں تک نہ پہنچا

کبھی کوئی خیال ہے(22)

اس نظم میں معظمہ صاحبہ نے خدا کی ذات سے محبت کا عشق کا اظہار کیا۔ان کی ذات میں ہر وقت خدا کی حمد و ثنا کرنا ہے۔تصوف کا پہلو ان کے ہاں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔کبھی اللہ تعالی کی صفات کو بیان کرتے ہیں جو کل کائنات کے مالک ہیں۔معظمہ نقوی نے خدا سے محبت کو اپنی شاعری میں بیان کیا ہے۔

ردیف کے لغوی معنی میں گھوڑے سوار کے پیچھے بیٹھنے والا۔شاعری اصطلاح میں ردیف سے مراد وہ الفاظ کا مجموعہ جو قافیہ کے بعد مکرر آئیں اور بالکل یکساہوں۔ردیف ہر مصرعے میں ہونالازم نہیں عام طور پر غزل کے اشعار میں مصرعے ثانی میں دہرائے جاتے ہیں۔معظمہ نقوی نے بھی اپنی نظموں میں ردیف کا استعمال کیا۔ان کی نظم "وائے" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

وہ جو احساس دل میں رکھتے ہیں

لوگ ان کو بہت ستاتے ہیں

ان کو ہر لحظہ آزماتے ہیں

ہر قدم پہ رلاتے ہیں(23)

نقوی صاحبہ نے بہت سے اشعار میں کمال کی منظر نگاری کی ہے پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم وہ مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔انہوں نے اپنی شاعری کو منظر نگاری میں بہت اہمیت دی۔انہوں نے جس طرح منظر کو دیکھا ہو بہو اسی طرح منظر کو بیان کر دیا۔ان کو منظر نگاری میں بہت اہمیت دی۔انہوں نے جس طرح منظر کو دیکھا ہو بہو اسی طرح منظر کو بیان کر دیا ان کو منظر نگاری پر عبور حاصل ہے۔انہوں نے منظر کو جزئیات کے ساتھ بیان کیا۔جزئیات کی وجہ سے منظر کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے۔ڈاکٹر حامد اللہ ندوی لکھتے ہیں۔

"منظر کشی کا مطلب ہے شاعری میں مختلف نظروں کا بیان اس طرح کرے کہ اس کی ہو بہو تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔(24) "

معظمہ صاحبہ کو منظر نگاری پر کمال حاصل ہے۔ان کی منظر نگاری اس طرح ہے کہ ان کی شاعری کو پڑھیں تو منظر کے ساتھ ساتھ جذبات کی شدت محسوس ہوتی ہے ہمیں اچھا منظر اچھی تاثیر دیتا ہے اور برا منظر بری تاثیر دیتا ہے ان کی نظم "بسنت" ہمیں پڑھنے سے بھی اور اس کے نام سے بھی ایسا تاثر ملتا ہے جس میں زندگی کے مختلف رنگ ہوں۔ان کی نظم کے اشعار ملاحظہ ہیں

اے میرے پردیسی ساجن

دیکھو بہار لوٹ آئی ہے

ہر پھول مسکرایا ہے ہر کلی مسکرائی ہے

کنول نے تالاب میں لی انگڑائی ہے

پرندے کہتے ہیں کہ بہار آئی ہے

ہمارے دیس میں بسنت نے دھوم مچائی ہے

سرسوں کے پیلے پھول لہرا رہے ہیں کھیتوں میں

جنگل میں بھی ہریالی آئی ہے(25)

ان کی نظم میں فطرت کی عکاسی کرتی ہیں۔فطرت نگاری ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہے۔فطرت شاعری میں دلکشی کا باعث بنتی ہے کلام میں رعنائی پیدا ہوتی ہے قدرت کے بارے میں "انور جمال" لکھتے ہیں۔

"فطرت بتاؤ اور اصطلاح کئی علوم پر مشتمل ہے ادب میں یہ اصطلاح کئی معنوں میں استعمال ہوتی ہے زمین واسمان اور ان کے مابین جو مظاہرہ ہے انسان کی ذات کے جلوہ ریز ہیں وہ فطرت کہلاتی ہے(26) "

معظمہ نقوی کی نظموں میں تیز ہوائیں، بیٹر، ساون بسنت کا بیان ملتا ہے یہ تمام عناصر فطرت کی عکاسی کرتے ہیں۔فطرت کی عکاسی میں ان کی شاعری میں ایک خوبصورت تاثر ملتا ہے اس حوالے سے ان کی نظم "**تمنائے وصل**" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

سرد ہوا کے جھونکے دل میں، لینے آئے جب انگڑائی

ابر کی شوخی جب اآجائے آسمانوں میں

لہرا کے جب پیڑ چمن میں

چاہت کی ایک سرگم چھیڑیں(27)

اس میں تیز اور سرد ہوا کے جھونکے فطرت کے عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ جس سے مظاہرہ کائنات کی عکاسی ہوتی ہے۔ انہوں نے فطرت کی عکاسی بھرپور انداز میں کی ہے جس سے ان کے کلام میں دلکشی پیدا ہوتی ہے اور کلام میں فطرت کے مناظر کا بیان دلکشی سے کیا جائے تو شاعری مزید نکھر جاتی ہے بقول ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم :

"فطرت انفرادیت پسند ہے لیکن کثرت آفرین ہونے کے باوجود چونکہ فطرت ایک حقیقت وہ مدنی ہے اس لیے تنوع کے اندر وحدت بھی جلوہ گر رہتی ہے(28) "

معظمہ کی شاعری میں انتظار کی کیفیت بھی ملتی ہے انتظار ہاں کسی چیز کا ہو یا شخص کا بہت مشکل ہوتا ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ انتظار موت سے زیادہ سخت ہے اس انتظار کے لمحات کی اذیت تو کوئی عاشق سے پوچھے بعض اوقات انتظار کی کیفیت خوشگوار موسموں اور حسین نظاروں کو بھی ملا دیتی ہے یہ حسین مناظر دکھ و علم کی تصویر بن جاتا ہے۔ انتظار کی عکاسی معظمہ نقوی کہ ہاں بھی ملتی ہے۔ ان کے ہاں انتظار کی تلخیاں نظر آتی ہیں ان کی نظم "منتظر نگاہیں" کہ اشعار ملاحظہ ہیں۔

پوچھو مت میری زندگی کا حال

میرے ارمان اور میری زلفیں پریشان ہیں

میری سونی سونی باہیں تمہاری منتظر ہیں !

میری نگاہیں تمہاری منتظر ہیں۔۔۔(29)

معظمہ نے اپنی شاعری میں ایسی زبان استعمال کی جو کہ دور حاضر کے ناقدین کو متاثر کرتی ہیں انہوں نے اپنی شاعری میں ایسی زبان کا استعمال کیا جس کو پڑھ کر سب کچھ بڑی خوبصورتی سے پردہ تصور میں آنے لگتا ہے۔ان کی نظموں میں زبان وبیان کی بہت سی خوبیاں موجود ہیں۔ان کی نظموں میں کلام میں زبان وبیان کا بڑا عمل دخل ہے بقول دانتے:

"زبان کا مسئلہ ہر شاعری کے لیے خواہ اطالوی ہو یا فرانسیسی، یونانی ہو یا انگریزی بنیادی اہمیت رکھتا ہے ادب میں ایک مخصوص زبان استعمال ہونی چاہیے لیکن اکھڑنا، تراشیدہ اور دیہاتی زبان استعمال نہیں کرنی چاہیے Devulgai Eloqui بھی گنواروں کی زبان سے پرہیز کیا جائے"۔(36)

ان کی نظموں کا لب ولہجہ بہت ہی منفرد اور سادہ ہے ان کی نظموں میں کسی کام کی بناوٹ نظر نہیں آتی۔انہوں نے سادہ زبان کا استعمال کیا۔

معظمہ نے اپنی شاعری میں اپنی زبان کا استعمال کیا کہ قاری کو بڑھ کر بہت کچھ خوبصورتی سے تصور میں آنے لگتا ہے ان کی نظموں میں زبان وبیان کی بہت سی خوبیاں موجود ہیں۔انہوں نے الفاظ کو بہت ہی سادہ انداز میں بیان کیا کچھ اشعار ملاحظہ ہیں۔

عجیب ہے محبت کا رشتہ تجھ سے

میری زندگی کا واسطہ تجھ سے(37)

آؤ مل کر کریں عہد سچا کوئی

ہم وفا کا نبھائیں گے مل کر بھرم(32)

معظمہ نقوی کے ہاں سراپا نگاری مختلف پہلوں میں ملتی ہے یہ ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیات ہے انہوں نے اپنی شاعری میں سراپا نگاری کو نہایت منفرد انداز میں بیان کیا۔شعر ملاحظہ فرمائیں۔

وہ اپنی رنگت میں گندمی تھی

پر اس کا چہرہ حسین تر تھا

سنہرے سپنوں کی اس کی آنکھوں میں تازگی تھی

جو اپنے آنچل کو چومتی تھیں(33)

معظمہ نقوی اس شہر میں محبوب کے حسن کی ایک تصویر بناتی ہے تو کہیں وہ سراپا حسن کی تعریف کرتی ہے ان کی نظموں میں ترتیب تفصیل اور روانی پائی جاتی ہے وہ سراپانگاری کے عمل میں تفصیل سے زیادہ رعایت سے کام لیتی ہیں محمود افتخار اس حوالے سے لکھتے ہیں

"سراپانگاری حسن وجمال کی خارجی بظاہر پر مبنی تجربہ کا نام ہے اس کا تعلق حواس خمسہ سے ہے جس کا وجود بھی ہوتا ہے"۔(34)

معظمہ نے اپنی شاعری میں استفہامیہ انداز کو بھی اپنایا۔ ان کا یہ انداز ان کے کلام کو اور بھی زیادہ نکھارتا ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں استفہامیہ انداز کو اتنی خوبصورتی کے ساتھ شامل کیا کہ قاری کو کلام پڑھتے ہوئے ایک گہری سوچ گھیر لیتی ہے۔ اس سے کلام میں روانی اور خوبصورتی بڑھتی ہے معظمہ نے اپنی شعری میں استفہامیہ انداز کو بہت ہی نفیس انداز سے شامل کیا۔ وہ لفظوں پر قدرت رکھتی ہے۔ اس لیے لفظوں کا جوڑ کر شعر تخلیق کرتی ہے۔ معظمہ نقوی کو لفظوں پر قدرت حاصل ہے معظمہ نے اپنے استفہامیہ انداز کو بیان کیا۔

آنکھوں میں آنسو کیوں اتر آتے ہیں

ناجانے آج وہ مجھ کو بے ساختہ کیوں یاد آتے ہیں(35)

معظمہ نقوی نے اپنی نظموں میں متضاد الفاظ کو بھی استعمال کیا۔ ایسے الفاظ جو ایک دوسرے کے بعد استعمال ہوتے ہوں جن کے معنی ایک دوسرے سے الٹ ہوں متضاد کہلاتے ہیں یعنی صبح و شام، دن رات، اچھا برا وغیرہ متضاد الفاظ کہلاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کلام میں خوبصورتی بڑھ جاتی ہے متضاد الفاظ اشیاء کا مقابلہ و موازنہ اور ان کی ماہیت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ متضاد الفاظ کی مدد سے کبھی سنجیدہ اور کبھی غیر سنجیدہ صورتحال پیدا ہوتی ہے۔ اس سے کلام کی تاثیر اور تقسیم موت میں بے شمار اضافہ ہوتا ہے۔ معظمہ نے اپنی نظموں میں متضاد الفاظ کو استعمال کیا۔ ان کی نظم "اداس رہتی ہوں" کہ اشعار ملاحظہ ہے۔

روشنی سنورتی ہے روشنی پگھلتی ہے

اور دن نکلتا ہے اور شام ڈھلتی ہے(36)

انہوں نے اپنی شاعری میں بے شمار متضاد الفاظ استعمال کیے۔ جس میں تیر امیرا، دن رات وغیرہ آتے ہیں اس سے کلام میں دلکشی بڑھتی ہے۔اور قاری پر بھی گہرا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ان کی شاعری میں مختلف الفاظ کا بیان شامل ہے۔اس کی نظم "تمنائے وصل" میں بھی متضاد الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔

پھولوں کی خوشبو جب !تیرے میرے جسم کے اندر

تیری سانس میری سانس میں ڈھل جائے(37)

جذبات احساسات کی ہی شکل ہے جس کے معنی دل کا جوش ہے جذبات ہمارے ترقی یافتہ ذہنوں یعنی ہر انسان کے اندر موجود ہیں۔جذبات انسان کے اندر پیدائشی ہوتے ہیں جو خود بخود کام کرنے لگتے ہیں۔شعر میں جذبات کو قابو کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی مکمل عکاسی کرنے کو جذبات نگاری کہتے ہیں۔شعر میں خدمات کا اظہار سے قاری کو دلی طور پر تسکین پہنچتی ہے۔

نظم میں جذبات نگاری کو پیدا کرنے کا مقصد قاری کے ذہن میں وہ کیفیات پیدا کرنا ہوتی ہیں جو سکون اور تسکین کا باعث بنے۔اس میں غم اور خوشی کے احساسات کو بیان کیا گیا ہے معظمہ نے اپنی شاعری میں جذبات کو بیان کیا۔ان کی نظم "مڈنائٹ" کے اشعار ملاحظہ ہیں .

وہ بھی دسمبر کی مڈنائٹ

یہ بھی دسمبر کی مڈنائٹ

اس رات تھے ہم روبرو و مہو گفتگو(38)

کسی بھی شخص کے لیے اپنے جذبات کو احساسات اور مشاہدات و تجربات کی عکاسی کا نام شاعری ہیں معظمہ نے بھی اپنی شاعری میں جذبات کو بھرپور انداز میں بیان کیا ہے۔ان کی شاعری میں جذبات اندرونی کیفیات کی تحریر بن سکتی ہے انہوں نے جذبات اور احساسات کو اس گہرائی کے ساتھ بیان کیا کہ قاری کے دل میں اتر جاتی ہے جزئیات نگاری کے حوالے سے احسن فاروقی لکھتے ہیں۔

"فنکار جذبات کو ایک خاص قانون کے ساتھ پیش کرتا ہے جس کا اثر ہوتا ہے کہ اس فن پارے سے سامعین کے جذبات ابھرتے نہیں بلکہ ان کی تشکیل ہو جاتی ہے۔(39) "

معظمہ نے اپنی نظموں میں تخلص کو بھی بیان کیا ہے۔شاعر اپنے ذاتی اور خاندانی نام کے علاوہ اپنے ہی شاعرانہ صلاحیت اور شناخت کے لیے رکھتا ہے اسے تخلص کہتے ہیں۔ نظم کا وہ آخری شعر جسم شاعر اپنا تخلص بیان کرتا ہے اسے مقطع کہتے ہیں۔معظمہ کی بھی اپنی نظمیں ہیں جس میں انہوں نے اپنا تخلص بیان کیا۔ان کی نظم "آخری بارش" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

آج تک بیٹھی تڑپتی حسرتوں کی سیج پر

منتظر نقوی ہے سانسوں کی سلگتی رگ پر (40)

جزائیات نگاری میں کسی بھی واقعے کو بیان کرتے ہوئے نہایت معمولی سے معمولی باتوں کو مد نظر رکھنا جزائیات نگاری کہلاتا ہے جزائیات میں ہر چھوٹی چھوٹی چیز کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے قاری کے سامنے سارا منظر گھوم جاتا ہے۔شاعر کا کائناتی مطالعہ قدر گہرائی میں ہوتا ہے پھر اسی طرح کے وہ جزائیات کے ساتھ پیش کی ہے۔

معظمہ نقوی جزائیات نگاری کے فن کا بہترین نمونہ ہے انہوں نے سراپا نگاری، تصویر کشی، منظر کشی، تمام جگہوں پر جزائیات نگاری فطرت سے ملتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی منظر کشی میں جزائیات نگاری کا استعمال کثرت سے ہوا ہے ان کی نظم "مال روڈ" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

دور جاتی سڑک

آدھی رات کا منظر

سنہری رنگت کی روشنیاں

پروانوں کا رقص

گگن پر تارے

پچھلی رات کا چاند

ساون کی مست پون (41)

کسی بھی غزل، قصیدے یا نظم میں سے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں۔ جس میں شاعر دونوں مصرعوں میں ردیف اور قافیہ سے کام لیتا ہے۔دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔عام طور پر نظم میں پہلے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ مطلع عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی طلوع ہونے کے

ہیں۔ نظم کا مطلع ہم وزن، ہم قافیہ، ہم ردیف ہوتا ہے نظم میں ایک مطلع ہونا ضروری ہے معظمہ صاحبہ نے بھی اپنی نظم میں مطلع کا استعمال کیا ہے اس کی نظم "تانوان آرزو" کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

ہر گھڑی دل میں پریشان ہیں ہم

گویا جیتے ہوئے بے جان ہیں ہم(42)

ہو کے کم ہم دہائی رہتا ہے

گویا پاگل دکھائی دیتا ہے(43)

سہل ممتنع عربی زبان کا لفظ ہے سہل کے معنی آسان کام اور ممتنع کے معنی منع کرنے کے ہیں اصطلاح میں سہل ممتنع کے معنی اپنے کلام کو لکھتے ہیں جو دیکھتے ہیں آسان اور اسی طرح کا کہنا مشکل ہو۔ سہل ممتنع دراصل اس شعر کو کہتے ہیں جس کی نثر نہ کی جاسکے یعنی وہ اتنا آسان اور سادہ عمومی ہو کر شر کرنے کے لیے باقی نہ رہے۔

سہل ممتنع کا شعر زبان و بیان کے لحاظ سے سادہ ہوتا ہے لیکن اس کے معنی میں وسعت اور گہرائی ہوتی ہے۔ سہل ممتنع کا شعر میں شگفتگی اور ندرت کا ہونا ضروری ہے۔ جس سے تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ سہل ممتنع میں شعر کہنا انتہائی مشکل ہے جس سے زبان و بیان پر مکمل دسترس اور قدرت حاصل ہونی چاہیے۔ معظمہ نقوی نے بھی اپنی نظمیں میں سہل ممتنع کا استعمال جابجا کیا ہے۔ اس کی نظم کے اشعار ملاحظہ ہیں۔

معتبر کیسے ہوگا وفا کا سفر

مجھ سے تو دور ہے مجھ سے میں دور ہوں(44)

میں پل پل تجھ کو تکتی رہی

یہ بات الگ کے دیکھا نہ اس روز پلٹ کر تو نے بعد(45)

سہل ممتنع کا اطلاق اسے کلام سے ہوتا ہے جو دیکھنے میں بہت آسان ہوتے ہیں۔ لیکن اس کی نقل کرنا ممکن نہیں ہوتی۔ سہل ممتنع کلام میں حسن پیدا کرتا ہے اور کلام میں دلکشی اور دلفریبی بڑھ جاتی ہے۔

معظمہ نقوی نے اپنی شعری میں زبان بیان کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ روانی اور تسلسل کے ساتھ پیش کیا انہوں نے ردیف، قافیہ، مطلع، مقطع تمام چیزوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تسلسل اور روانی کے ساتھ پیش کیا۔ اس سے کلام میں تاثر پیدا ہوتا ہے۔

معظمہ کی شاعری میں صرف جذبات ہی نہیں بلکہ تصورات وخیالات کو بھی بڑی خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ معظم نقوی نے اپنی نظموں میں تسلسل کے ساتھ کام لیا۔

روانی اور تسلسل کلام میں خوبصورتی بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کا تسلسل ٹوٹنے نہیں پاتا اشعار ملاحظہ ہیں۔

وہ جب Gossip کرتا

کچھ مبہم سے لفظوں میں

محبت اپنی ظاہر کرتا

اسے بھی "شاید"

محبت تھی مجھ سے!(46)

اپنی سانسوں کے ہر تار میں

مجھے سنائی وہ دیتا ہے

اس کرب میں

اس ملن میں

کتنا قرار ہے(47)

مجموعی طور پر معظمہ نقوی کی شاعری کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلوب نہایت ہی سادہ ہے۔انہوں نے عام فہم اور سادگی بیان کی۔انہوں نے نظموں تسبیحات استعارات تلمیح تکرار الفاظ و بیان خود کلامی اور نیارنگ وروپ پیدا کرتی ہے۔انہوں نے عام حقیقت پسندانہ شاعرہ کی حیثیت سے قلم کا جادو جگا کر جدید شاعری میں اپنالوہامنوایا۔شعری مجموعہ "آخری بارش" کہ فنی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا فن عروج پر ہے وہ تمام فنی لوازمات کو کس قدر خوبی اور خوبصورت سے اپنی نظموں پر روایتی ہیں۔وہ اپنے خیالات و جذبات کے ذریعے فنی لوازمات کو پیش کرتی ہیں۔شاعر کیونکہ اپنے خیالات قاری تک پہنچانے کے لیے مختلف انداز کو اپناتا ہے معظمہ کے ہاں بھی سادہ زبان و بیان کا استعمال تشبیہ استعارہ کا بیان ملتا ہے۔انہوں نے سادہ زبان اور مشکل قوافی کا استعمال کیا۔ان کے ہاں الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

حوالہ جات

1. **عبدالمجید**۔ اردو انسائیکلوپیڈیا۔لاہور: فیروز سنز، 1998ء، ص 123۔
2. **ریاض احمد**۔ تنقیدی مسائل۔لاہور: یول میر پبلیکیشنز، 1991ء، ص 15۔
3. **پروفیسر نصیر الدین احمد خان**۔ ادبی اسلوبیات۔ دہلی: آفیسٹ پریس، 1994ء، ص 9۔
4. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش۔ڈیرہ غازی خان: فارمیس پبلیکیشنز، 2023ء، ص 19۔
5. **ڈاکٹر علی محمد**۔ اصنافِ نظم۔لاہور: اردو بازار سٹریٹ، 2014ء، ص 15۔
6. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش، بحوالہ 4، ص 25۔
7. **ایضاً**۔
8. **ایضاً**۔
9. **ڈاکٹر مزمل حسین**۔ اردو میں علمِ بیان و بدیع کے مباحث۔لاہور: مجلس ترقی ادب، 2010ء، ص 21۔
10. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش، ص 19۔
11. **ایضاً**۔
12. **ڈاکٹر اشرف کمال**۔ تنقیدی تھیوری۔لاہور: بی بی ایچ پرنٹرز، 2016ء، ص 125۔
13. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش، بحوالہ 4، ص 21۔
14. **ایضاً**۔
15. **پروفیسر انور جمال**۔ ادبی اصطلاحات۔ اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2012ء، ص 150۔
16. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش، بحوالہ 4، ص 15۔
17. **ایضاً**، ص 53۔
18. **ایضاً**، ص 55۔
19. **ابو اعجاز صدیقی**۔ کشافِ تنقیدی اصطلاحات۔ اسلام آباد، 2018ء، ص 55۔

20. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش، کولا4، ص**58**۔

21. **ڈاکٹر عبدالقادر فاروقی**۔ اردو شاعری اور تصوف۔ حیدرآباد: جامعہ نظامیہ، **2009**ء، ص**15**۔

22. **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش، کولا4، ص**23**۔

23. **ایضاً**، ص**48**۔

24. **ڈاکٹر حماداللہ، "اردو کی چند مصنویاں"، دہلی ماڈرن پبلی کیشنز1992ء، ص19**

25. **معظمہ نقوی "آخری بارش" بحوالہ4ص61**

26. پروفیسر انور جمال "ادبی اصلاحات" بحولا15ص10

27. معظمہ نقوی "آخری بارش" بحوالہ4ص15

28. ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم "تشبیہات رومی" لاہور اسلامیہ ادارہ ثقافت1990ء ص29

29. معظمہ نقوی "آخری بارش" بحوالہ4ص19

30. ڈاکٹر جمیل جالبی "دانتے" ارسطو سے ایلیٹ تک اسلامہ آباد نیشنل بک فونڈیشن1997ء ص18

31. معظمہ نقوی "آخری بارش" بحوالہ4ص15

32. **ایضاً**، ص68

33. **ایضاً**، ص71

34. **ایضاً**، ص25

35. **ایضاً**، ص26

36. **ایضاً**، ص78

37. **ایضاً**، ص68

38. **ایضاً**، ص75

39. **ایضاً**، ص72

40. **ایضاً**، ص73

41. **ایضاً**، ص89

42. **ایضاً**، ص11

43. **ایضاً**، ص27

44. **ایضاً**، ص29

45. **ایضاً**، ص91

46. **ایضاً**، ص95

47. **ایضاً**، ص77

باب پنجم
محاکمہ

معظمہ نقوی کا نام اکیسویں صدی میں اردو نظم کے حوالے سے آج کے دور کا روشن چمکتا ستارہ ہے۔12 جولائی 1990 میں ڈیرہ غازی خان کے شہر غازی خان میں پیدا ہوئیں۔ پچھلے کچھ عرصے سے شعر و ادب سے وابستہ ہیں۔اور اپنے قلم سے لفظوں کا جادو جگا رہی ہیں۔ معظمہ نقوی ایک ایسی قلم کار ہیں جنہوں نے اپنے عزم واستقامت سے خود میں موجود سحر کو نہ صرف نکھارا بلکہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔اور خود کو صاحب علم کی حیثیت سے متعارف بھی کروایا۔ انتہائی کم عمری میں ہی وہ الفاظ واحساس کے ساتھ جذباتی طور پر بندھ گئی تھیں۔

ادبی دنیا میں 2018 میں متعارف ہوئیں۔2019 فروری میں پہلا انتخاب "کف دست" کو ترتیب دیا۔ 2021 ستمبر میں مرثیہ وسلام کا انتخاب "مودت نامہ تدوین" کیا۔2014 میں سے لے کر ملکی وغیرہ ملکی اخبارات وجرائد میں جتنی آزاد تحاریر لکھیں ان تمام کو یکجا کر کے جنوری 2023 میں اپنی پہلی تصنیف "نقوائے نقوی" منظر عام پر لے آئیں۔ یہ کتاب ازاد تخلیقات تحقیقی مضامین، کالم و تبصرہ جات پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد انہوں نے شاعری میں آزاد نظم کو وتیرہ بنایا اور آخری بارش کی صورت میں قارئین کی نظر کی۔اس کے علاوہ غزل، متفرق اشعار، سلام وقطعات نیز افسانہ نگاری وسرائکی زبان میں بھی شاعری پر کام جاری کیا۔ڈیرہ غازی خان کی ویکیپیڈیا سہڑی میں نامور شخصیات کی فہرست میں بتاؤ شاعرہ ان کا نام درج ہو چکا ہے۔

معظمہ کا شاعری مجموعہ "آخری بارش" ایک خوبصورت مجموعہ ہے۔اس مجموعے کی شریانوں میں خوبصورت ترکیبیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً لا الہٰ کا معجزہ، ایمان کی جاگیر، عفتوں کی سرزمین، سردھوا کی لوپر، پتھرائی ہوئی آنکھیں، دھند لگے میں سسکتی ہوئی شام، دکتی سلگتی ناؤ، دسمبر میں بدحواسی، جسم کی مسکٹ، ماگھ کی رات، روپ نگر، نائٹ بلب اور بارنگ چیون وغیرہ شامل ہیں۔

ان خوبصورت ترکیبات کے علاوہ انہوں نے انگریزی زبان کے کچھ لفظوں میں بھی اپنی نظموں کو متعارف کروایا۔ نظم کا آغاز دکن سے ہوا۔ نظم اردو ادب کی ایسی صنف ہے جس میں کم وقت میں شہرت اور عمدہ مقام حاصل کیا۔اس کی شہرت کی وجہ سے شروع میں ہی اعلی قسم کی شاعروں نے اپنایا۔ اردو نظم بہت سے شعروں کے ہاتھوں پروان چڑھتی ہوئی دور جدید میں داخل ہوئی۔ معظمہ نقوی کا شمار دور جدید کے شعرا میں ہوتا ہے۔انہیں نظم نگاری پر کافی دسترس حاصل ہے۔ جنہوں نے اردو میں شاعری کی روایت کو بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ "آخری بارش" ان کا بہترین سرمایہ ہے۔

انہوں نے اپنے گہرے شعور اور فکر انگیز حقیقت کی بدولت اردو میں شاعری کی صنف کو دوام بخشا انہوں نے نہ صرف دلکش اور شاندار نظمیں تخلیق کی بلکہ انہوں نے فنی اور فکری دونوں موضوعاتی لحاظ سے نظموں کی تشکیل کو بھی گہرائی سے مطالعہ کیا۔

آخری بارش ان کا ایسا فن پارہ ہے جس میں زندگی حقیقی انداز میں چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ان کی نظموں کے موضوعات میں طنز، ماضی کی یادیں، معاشرتی سائل، تصوف، ذات کی شناخت، زندگی سے فرار، معاشرتی برائیاں اور دیگر موضوعات کو اپنی شاعری کے ذریعے بیان کیا۔ان کی نظموں کی موضوعات حقیقی دنیا سے وابستہ ہیں۔

ان کی نظموں کے اسلوب میں طنزیہ انداز بھی پایا جاتا ہے۔انہوں نے سماجی رویوں اور سماجی مسائل کو اپنے تجربات کے ذریعے پر کھا۔انہوں نے اپنی نظموں میں امید کے پہلو کو بھی بیان کیا۔اگر کسی شخص پر کوئی مشکل آجاتی ہے تو انسان ناامید ہو جاتا ہے۔اسے ناامید نہیں ہونا چاہیے امید کا دامن قائم رکھنا چاہیے۔انہوں نے اپنی نظموں سے والہانہ محبت کا اظہار کیا۔انہوں نے اپنے وطن کی عظمت کے گیت لکھ کر دلفریبی سے اظہار محبت کیا۔وطن کی محبت انسان کے ایمان کا حصہ ہے۔ایک محب وطن کو ایسا ہونا چاہیے کہ وہ اپنے وطن کے لیے اپنی جان تک قربان کر دے اس کی خوشحالی اور ترقی کے لیے کوشاں رہے۔

انہوں نے اپنی شاعری میں بے رخی کا موضوع بھی اپنایا۔ان کی نظموں میں جا بجا بے رخی اور اداسی کے موضوع نمایاں ہیں۔ہر شاعر کو فطرت سے گہرا لگاؤ ہونا چاہیے۔فطرت کے قریب شاعری انسانی دل و دماغ پر گہرا تاثر چھوڑتی ہے۔معظمہ نقوی کو بھی فطرت سے محبت اور لگاؤ ہے۔یہ سب ان کی نظموں میں نظر آتا ہے۔ان کی نظموں میں انتظار کی تلخی کی کیفیت بھی ملتی ہے۔بعض اوقات انتظار کیجیے کیفیت خوشگوار موسموں اور حسین نظاروں کو بھی رلا دیتی ہے۔یہ حسین مناظر دکھ و علم کی تصویر بن جاتے ہیں۔اسی انتظار کی عکاسی معظمہ نقوی کے ہاں بھی ملتی ہے۔

معظمہ نقوی جدید دور کی عمدہ نظم گو شاعرہ ہیں۔شاعر اپنے حقیقی واقعات اور فکری پہلو کے بیان کو انتہائی فنکارانہ انداز میں نظم کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔شاعری نے تمثیل کی خوبصورت اور انوکھی مثالیں دی ہیں۔شاعری کہنے والے کے دل میں خوشگوار تاثر چھوڑتی ہے۔اور چلتے پھرتے انسان روپ اختیار کر لیتی ہے۔یہ ان کے فن کا شاہکار ہے۔نئے الفاظ، معنی و مفاہیم، نئی علامتیں، منفرد استعارہ، یکساں تراکیب اور تصویر کشی نے اردو شاعری کو ترقی دی۔

ان کی نظموں کا فنی جائزہ لیا جائے تو انہوں نے سادہ زبان کا استعمال کیا۔ان کی نظموں میں خدمات کا عنصر نمایاں ہے۔جذبات اور احساسات سے ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔ان کی نظموں کی نمایاں خوبی زبان اور ان کا اسلوب ہے۔وہ شاعری میں اپنے اسلوب کی بدولت جدید شعراء میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔انہوں نے اپنی نظموں میں معنوی زبان و اسلوب کی بجائے عام فہم زبان کا استعمال کیا۔انہوں نے اپنی نظموں میں الفاظ کا مناسب موزوں اور بر محل استعمال کیا۔ان کی نظموں میں تلمیح، تکرار الفاظ، جذبات نگاری اور تشبیہ و استعارات کا استعمال کیا گیا ہے۔انہوں نے انسانی حقائق کی تصویر کشی کی۔ان کی جزئیات نگاری بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ایک اچھے شاعر کی خوبی ہے کہ وہ جزئیات سے

کام لیتا ہے۔ان میں فطرت کی عکاسی کر کے نظموں کا حسن دوبالا ہوا ہے۔ان کے ہاں نظموں میں مناظر خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔انہوں نے حقیقت نگاری کے ساتھ مسائل کو بھی پیش کیا۔معظمہ کی شعری میں غم کا عنصر بھی ملتا ہے۔ہر شام غم ناامیدی کا شکار ہوتی ہے۔ان کی نظموں میں اداسی کو وسیع معنوں میں استعمال کیا۔ہجر کو بھی خوبصورت الفاظ اور انداز میں بیان کیا۔

معظمہ کی نظموں میں رومانیت کا عنصر بھی جابجا ملتا ہے۔جس میں اللہ پاک سے عقیدت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ان کی نظموں میں عقیدت اور اللہ پاک سے محبت کا اظہار بڑی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ان کی نظموں میں ماں سے محبت کا بھی بیان ہے۔ان کی نظموں سے جذبات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جسے دیکھنے والا حیران راہ جاتا ہے۔ایسی بات ظاہر کرتی ہیں جو بظاہر تو سادہ ہو لیکن اس کے پیچھے شاعر کے جذبات مشاہدات اور احساسات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔محترمہ نے اپنی نظموں میں محبوب کا تصور روایتی قسم کا نہیں بلکہ منفرد انداز سے ان کی شاعری میں ابھرتا ہے۔ان کے اشعار میں حجر و وصل کا لطف اور احساس خوبصورتی و فنی مہارت سے پیش کیا گیا ہے۔معظمہ نقوی نے اپنی نظموں میں سراپا نگاری کے مناظر کو بھی خوبصورت انداز میں بیان کیا۔

معظمہ صاحبہ نے لفظ "اداسی" کو بھی وسیع معنی میں استعمال کیا۔ان کی نظموں میں جدید عنوانات ملتے ہیں اور ان کو اظہار کا وسیلہ بنایا۔

معظمہ نقوی کو مختصر اور سلیقہ مندانہ بات کہنے کا فن آتا ہے۔اللہ پاک نے انہیں کلام اور بیان کی خداداد صلاحیتیں عطا کیں۔انہوں نے ان کا استعمال کمال فنکاری سے کیا۔معظمہ نقوی کو ادب میں اہم مقام حاصل ہے۔انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے اپنی نظموں میں بلند مقام پایا۔وہ ایک سمجھدار اور پختہ شاعرہ ہیں۔ان کی نگاہ تخلیق اور بلندیوں پر مرکوز ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان کا شمار دور حاضر کے ابھرتے ہوئے شعراء میں آتا ہے۔انہوں نے آزاد نظم کی بدولت خوب پذیرائی حاصل کی۔انہوں نے آزاد نظم کی روایت کو برقرار رکھا۔شاعری کی سب سے بڑی خوبی یہی ہوتی ہے کہ ایک عام انسان کو اس طرح بے ساختگی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ وہ قاری کے ذہن کو اپنے گرفت میں لے لیتا ہے۔معظمہ کی آزاد نظموں میں یہ کوشش بخوبی جھلک رہی ہے۔معظمہ نقوی کی شاعری میں احساسات کا ردھم بھی شامل ہے۔ان کی نظموں کے موضوعات عام انسان کی زندگی سے قریب ہیں۔جیسے خود کلامی، جنم دن، اجنبی، بسنت، خواب، ذرا سوچنا، شہرہ، اور عہد وفا شامل ہیں۔

معظمہ نقوی صاحبہ لفظوں کو برتنے کا حل بخوبی جانتی ہیں۔ان کی آزاد نظموں کا مجموعہ اس بات کی دلیل ہیں کہ شاعرہ کا تعارف ان کی شخصیت کے ادبی و علمی قد کی وضاحت کرتا ہے۔اور ان علمی و ادبی حلقوں میں اپنی جگہ بنا چکی ہے۔اور تخلیقی سفر عمدگی سے جاری ہے۔

کتابیات

بنیادی ماخذ:

- **معظمہ نقوی**۔ آخری بارش۔ پریس مار میس پبلیکیشنز، ڈیرہ غازی خان۔

ثانوی ماخذ:

1. ڈاکٹر انور سید، "اردو ادب کی تحریکیں ,"انجمن ترقی اردو، پاکستان، کراچی، 1999_ء
2. اخلاق دہلوی، "فن شاعری ,"کتب خانہ انجمن ترقی اردو، جامعہ دہلی، 1962_ء
3. ڈاکٹر انیس ناگی، "نیا شعری افق ,"جمالیات، لاہور، طبع دوم، 1988_ء
4. اقبال، "بانگ درا ,"شیخ غلام اینڈ سنز، پہلی ہیشتر، لاہور، 1955_ء
5. جمیل جالبی، "ارسطو سے ایلیٹ تک ,"نیشنل بک فاؤنڈیشن، لاہور، 1975_ء
6. ڈاکٹر حامد اللہ ندوی، "اُردو کی چند مثنویاں ,"ماڈرن پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، 1993_ء
7. ریاض احمد، "تنقید کے مسائل ,"پولیمیر پبلی کیشنز، لاہور، 1991_ء
8. سنبل نگار، "اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ ,"انٹلیکچوئل بک ہاؤس، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ، 1991_ء
9. ساحر لدھیانوی، "تلخیاں ,"یونیورسل بھار پولیس، ممبئی، 1920_ء
10. عبادت بریلوی، "جدید شاعری ,"اردو دنیا، لاہور، 1949_ء
11. عابد علی عابد، "البیان ,"زریں آرٹ پریس، لاہور، 1919_ء
12. عزیز حامد مدنی، "جدید اردو شاعری (جلد دوم) ,"انجمن ترقی اردو، کراچی، 1990_ء

13. عابد علی عابد، "اصول انتقاد ادبیات ,"سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1946_ء

14. فیض احمد فیض، "نقش فریادی ,"نیا ادارہ، لاہور، 1971_ء

15. ڈاکٹر فرمان فتح پوری، "اردو شاعری کا ارتقاء ,"ایجو کیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 1994_ء

16. کلیم الدین احمد، "اردو شاعری پر ایک نظر ,"ایمپوریم، 1958_ء

17. ڈاکٹر محمد حسن، "دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی و فکری پس منظر ,"ادارہ تصنیف، بھوپال، 1947_ء

18. پروفیسر مسعود حسین، "مقدمہ دیوان فائزہ ,"انجمن ترقی اردو، لاہور، 1982_ء

19. ڈاکٹر مزمل حسین، "اردو میں علم بیان و بدیع کے مباحث ," مجلس ترقی اردو ادب، لاہور، 2010_ء

20. ڈاکٹر وحید قریشی، "جدیدیت کی تلاش ,"سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1990_ء

لغت و دائرہ معارف

انور جمال، "ادبی اصطلاحات ,"نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2012_ء

ڈاکٹر اشرف کمال، "تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات ,"بی بی ایچ پرنٹرز، لاہور، 2016_ء

ابو الاعجاز حفظ صدیقی، "کشافِ تنقیدی اصطلاحات ,"ادارہ فروغ قومی زبان، اسلام آباد، 2018_ء

عبد المجید خان، "اردو انسائیکلوپیڈیا ,"نیا ایڈیشن، فیروز سنٹر لمیٹڈ، لاہور، 1928_ء

انٹرویو

1. معظمہ نقوی سے راقم کا انٹرویو، بذریعہ ٹیلی فون، ڈیرہ غازی خان، 9_مارچ2024ء

2. معظمہ تقوی سے راقم کا انٹرویو، بذریعہ ٹیلی فون، ڈیرہ غازی خان، 15_مارچ2024ء

انٹرنیٹ ذرائع

1. https://www.rekhta.org
2. https://www.express.pk
3. https://www.wikipedia.org
4. https://www.urdu.link.com
5. https://www.urduweb.org
6. https://www.word/urdu-association

ضمیمہ جات

آخری بارش
معظمہ نقوی

آخری بارش
معظمہ نقوی

آخری بارش
معظمہ نقوی
A Publication of
Press for Peace Foundation